آثارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
خطرے میں
حرمین شریفین میں موجود مٹتے آثار کی
درخواست و فریاد مشاہداتی تحقیق شرعی دلائل
السعید
مفتی ابولبابہ شاہ منصور

حرمین شریفین میں موجود مٹتے آثار کی دل گداز داستان،
درخواست و فریاد، مشاہداتی تحقیق، شرعی دلائل، سفارتی لائحہ عمل

مفتی ابولبابہ شاہ منصور مدظلہ

کتاب .... آثارِ نبی ﷺ خطرے میں

مصنف .... مفتی ابولبابہ شاہ منصور

طبع اوّل ...... ربیع الاوّل 1432ھ - 2011ء

باہتمام .... محمد انظر شاہ

ناشر .... السعید

یہ کتابچہ

فی سبیل اللہ مفت تقسیم کرنے کے خواہش مند حضرات کو

خصوصی رعایتی قیمت پر فراہم کیا جائے گا

ملنے کے پتے

پاکستان کے تمام مشہور کتب خانوں سے دستیاب ہے

انتساب

بنامِ: ذرّہ خاک، قطرہ اشک و آئینہ دل

اس "ذرہ خاک" کے نام

جسے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا

اور

اس "قطرہ اشک" کے نام

جوان ہستیوں کی آنکھوں میں دمِ واپسیں جھلملا رہا تھا

جو کم مائیگی کی سبب عمر بھر آثارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

زیارت کو ترستے رہے

اور

جب دنیا سے گئے تو ان کے "آئینہ دل" میں

گنبدِ خضرا کی تصویر نقش تھی

..........●..........

فہرست

مٹتے آثار، بجھتے چراغ (3)

پانچ قریب الشہادت آثار

مٹتے آثار، بجھتے چراغ (4)

پانچ شہید شدہ آثار

تاریخی شاہکاروں سے تغافل کا المیہ

آثار ِحبیب ﷺ کی حفاظت شرعی دلائل کی روشنی میں

آثارِ حبیب ﷺ اور راہِ اعتدال

آثارِ حبیب ﷺ کا تحفظ: کیوں اور کیسے؟

مقدمہ

ممکن ہو تو.....

یہ کتاب نہیں، فریاد ہے۔
کتابچہ نہیں، گزارش نامہ ہے۔
نوحہ نہیں، دعوتِ فکر ہے۔

کسی کُبڑے سے کسی نے پوچھا: ''کیا چاہتے ہو؟ تمہارا ''کُب'' ختم ہو جائے یا سب تم جیسے ''کُب دار'' ہو جائیں؟''

کُبڑے میں بغض و کینہ بہت تھا۔ اس نے کہا: ''میں ٹھیک ہو گیا تو اُن لوگوں پر ہنس نہیں سکوں گا جو مجھ پر ہنستے رہے ہے۔ اگر سب کُبڑے ہو جائیں تو میں جی بھر کے ان پر ہنس تو لوں گا۔''

یہود و نصاریٰ کا امت مسلمہ سے روایتی حسد و بغض اس کم ظرف کُبڑے سے کہیں زیادہ ہے۔ ان کے اپنے مذہبی و تاریخی آثار ان سے چھن چکے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں مسلمان بھی اپنے نبی ﷺ کی یادگاروں کی زیارت سے دلِ حزیں کو تسلی کے چند لمحات فراہم نہ کر سکیں، لہٰذا ارضِ حرمین میں صرف تین جگہوں کو ''یونیسکو'' کے ماتحت عالمی ورثہ قرار دے کر تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ یہ تین جگہیں سرزمینِ اسلام سے جلاوطن کیے گئے یہود کی متروکہ بستیاں ہیں۔ باقی مستند ترین و مقدس ترین آثار پر کیا گزر رہی ہے؟ اس کی المناک داستان آپ اس مختصر مرثیے میں ملاحظہ کریں گے۔

تعجب ہے کہ دجالی علامات اور شیطانی نشانات تو حرمین شریفین سمیت ساری دنیا میں

پھیلائے جا رہے ہیں (تفصیل کے لیے دجال III ملاحظہ فرمائیے) اور مقدس و متبرک اسلامی آثار اور مذہبی و تاریخی یادگاروں سے زمین کا سینہ ویراں اور پیشانی اجڑتی جا رہی ہے۔ یہ ستم ظریفانہ روئیداد دل تھام کر سنیے اور ممکن ہو تو آثارِ نبی ﷺ کے تحفظ کے لیے کوئی مشورہ یا قابلِ عمل تجویز دیجیے۔ (muqaddasaasar@yahoo.com) کم از کم اس عاجزانہ درخواست کو آگے بڑھائیے (دیکھیے: آخری صفحہ) اور امت کو مشترکہ ورثے سے محروم ہونے سے بچانے کے لیے تحفظِ آثار کی اس مہم میں حصہ لیجیے۔ اللہ کی رضا کی خاطر..... اعتدال و سلیقے کے ساتھ..... انتشار و افتراق سے بچتے ہوئے..... افراط و تفریط سے دور رہتے ہوئے۔

کتابچہ اگرچہ مختصر ہے لیکن آپ کو اس میں تاریخی تحقیق بھی ملے گی اور مشاہداتی کارگزاری بھی۔ مسئلہ کی شرعی حیثیت پر گفتگو بھی کی گئی ہے اور راہِ اعتدال کی نشاندہی بھی۔ موضوع کی نزاکت کا احساس بھی دلایا گیا ہے اور محتاط لائحہ عمل بھی پیش کیا گیا ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ دن جب مشرقِ وسطیٰ میں سیاسی انقلابات کی لہر اٹھ رہی ہے، تحفظِ آثار کی صدا بلند کرنے کے لیے مناسب ہیں یا نہیں، لیکن آپ اسلوبِ تحریر سے محسوس کریں گے کہ مقصدِ تحریر صرف اور صرف خیر کی دعوت ہے، شر و فتنہ یا انتشار و افتراق کے شائبے سے بچنے کا حتی الوسع اہتمام و التزام کیا گیا ہے۔ انقلاب کی لہر تھمنے کا انتظار کرتے کرتے اندیشہ ہے کہ امت چند مزید آثار سے محروم ہی نہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ''خدامِ حرمین'' کو ''خدامِ آثارِ حرمین'' بھی بنائے اور امت کو آثارِ حبیب ﷺ کی برکت سے اتحاد و اتفاق اور فلاح و ترقی نصیب فرمائے۔ آمین

شاہ منصور

ربیع الاول

ایسا کیوں ہے؟

آثارِ نبی ﷺ اور عشقِ نبی ﷺ میں ربط پر ایک تجزیہ

آپ نے کبھی سوچا ہے دنیا میں مسلمان ہی سب سے زیادہ اللہ رب العزت کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟ پوری دنیا کے مختلف آسمانی وغیر آسمانی مذاہب کے ماننے والوں کی بہ نسبت ایک مسلمان اللہ رب العالمین کی عبادت میں جتنا وقت لگاتا ہے، اتنا کسی اور مذہب یا نظریے کے ماننے والے کیوں نہیں لگاتے؟ روزانہ کی عبادت ہو یا ہفتہ واری (جیسے پنج وقتہ نماز اور نماز جمعہ) ماہانہ ہو یا سالانہ (جیسے ماہانہ نفلی روزے یا سالانہ زکوٰۃ اور فرضی روزے، اعتکاف وغیرہ) یا عمر بھر میں ایک مرتبہ کی جانے والی عالمی عبادت ہو (جیسے عمرہ و حج، بیت اللہ کا طواف اور مدینہ منورہ کی حاضری) پرستش کے ان سب مظاہر اور دیگر اخلاقی وفلاحی عبادتوں کی شکل میں اگر اس کائنات کے خالق کو کسی نے پوجا ہے، سب سے زیادہ پوجا ہے اور بے لوث فنائیت کے عالم میں پوجا ہے تو وہ مسلمان ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی عبادات (جیسی تیسی ہوں، ادلی بدلی یا تحریف شدہ، حلیہ بگڑی یا مسخ شدہ) ہفتے میں کتنے دن اور دن میں کتنے وقت ہوتی ہیں؟ یہ سب کو معلوم ہے۔ بقیہ غیر آسمانی جاہلانہ مذاہب کا تو ذکر رہنے دیں، جن قوموں کو یہ دعویٰ ہے وہ اللہ کی منتخب اور پسندیدہ ترین قوم ہیں، جنت میں داخلہ صرف ان کا حق ہے، یہ قومیں بھی دن رات یا زندگی کے صبح وشام میں سے کتنا وقت اللہ کو دیتی ہیں؟ یہ سب کے سامنے ہے۔ اس کے بالمقابل کائنات میں ایسا کوئی لمحہ نہیں، جب کوئی نہ کوئی صاحب ایمان اس کائنات کے رب کو کسی نہ کسی شکل میں پوج نہ رہا ہو۔ آپ نے کبھی سوچا ایسا کیوں ہے؟ مسلمان جتنے بھی گنہگار ہوں، پسماندہ ہوں، بدحال اور مظلومیت کا شکار

ہوں، لیکن خالق کائنات اور قادر مطلق کو اپنے جان و مال سے، اپنے دن رات میں، اپنی خلوت وجلوت میں، اتنا پکارتے، اتنا پوجتے اور اس سے اتنی محبت وعقیدت کا مظاہرہ کیوں کرتے ہیں؟

ایک اور چیز بھی ملاحظہ کیجیے! آج کی دنیا میں کچھ لوگوں کا بڑا دعویٰ ہے کہ وہ ترقی یافتہ ہیں۔ ان کے اس دعوے سے مرعوب ہو کر کچھ برادران اسلام بھی ایک قسم کے احساس کمتری میں جتا رہتے ہیں کہ زمانے بھر کی مصیبتیں اور طعنے تو بس ہمارے لیے ہیں۔ رحمتوں کی برسات تو بس اہل مغرب پر ہے۔ مرعوبیت کی حد یہ ہے کہ انہیں نبوی حلیے والے علمائے کرام کے بجائے مغربی فیشن اپنائے ہوئے وہ "اینکر پرسن" اچھے لگنے لگے ہیں جن کے پیندے کا پتا ہی نہیں کہ کس سمت لگا ہے؟ لیکن آپ اس نکتے پر غور کیجیے کہ مسلمان جیسے تیسے بھی ہوں، ان کے پاس ان کے مقامات مقدسہ محفوظ و مامون ہیں۔ اللہ کی کتاب بھی اصلی حالت میں ہے۔ اللہ کا گھر (پہلا بھی، پچھلا بھی) انہی کے پاس ہے۔ اپنے نبی کا روضہ اور اس کی ہدایات نیز اس کی ادائیں اور یادگاریں بھی محفوظ ہیں۔ دینی لٹریچر کا اتنا بڑا ذخیرہ مسلمانوں کے پاس ہے کہ پوری دنیا کے مذاہب مل کر بھی اس کے عشر عشیر کو نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے مقابلے میں یہودی دوسرے سیاروں سے گھوم آئیں عیسائی حضرات زمین کے گرد 45 منٹ میں چکر لگانے والی شٹل ایجاد کر لیں، آسمان و زمین کے قلابے ملا لیں، لیکن ان کے دل سے یہ حسرت نہیں جا سکتی اور ان کے ماتھے پر لگا یہ داغ نہیں مٹ سکتا کہ ان کے پاس اللہ کا گھر نہیں، وہ ان سے چھن گیا۔ ان کے نبی کا روضہ ان کے دلوں کا سہارا اور دکھوں کا مداوا نہیں۔ عیسائی حضرات نے تو اپنے ہی نبی علیہ السلام سے بے وفائی اور ان کی تجری کی۔ اللہ پاک نے اپنے مقدس نبی کو آسمان پر بحفاظت اُٹھا لیا، اب وہ آخر زمانے میں اُمت محمدیہ کے غیرت مند جوانوں کے ساتھ مل کر اسلام اور عیسائیت کے دشمنوں سے جہاد کریں گے۔ اللہ کی کتاب بھی دونوں ترقی یافتہ قوموں کے پاس نہیں۔ دونوں نے اپنے ہاتھوں سے اسے بدل بدل کر بیچا ہے اور جیب بھر کے بلکہ جی بھر کے جہنم کمائی ہے۔ اب وہ جتنی بھی ترقی کر لیں

دکھائیں، جتنا بھی رعب ڈال لیں، لیکن نہ ان کے پاس ہیکل سلیمانی ہے نہ تابوتِ سکینہ۔ نہ تورات کی تختیاں ہیں اور نہ عصائے موسوی ہے۔ نہ من وسلویٰ والے برتن ہیں نہ مائدہ عیسوی ہے۔ دنیا میں صرف اور صرف...... میں دہراتا ہوں: صرف اور صرف...... مسلمان ایسی قوم ہے جن کے پاس آسمانی نعمتیں اور روحانی ومذہبی یادگاریں نہ صرف اصلی حالت میں موجود ہیں بلکہ وہ ان "متبرک آثار" کی ویسی ہی حفاظت کررہے ہیں، ان کو اپنے سجدوں سے آباد اور اپنے خون سے سیراب کررہے ہیں جیسا کہ انہیں حکم دیا گیا تھا۔ آپ نے کبھی سوچا ایسا کیوں ہے؟ صرف مسلمانوں کو یہ اعزاز حاصل کیوں ہے؟

اسلام کے عبادات کے نظام کو لے لیجیے۔ ایسا نظام دنیا کے کسی مذہب میں نہیں۔ اس دعوے کو جانچنے کے لیے تقابل ادیان میں مہارت کی ضرورت نہیں، صرف ایک موٹی سی بات ملاحظہ کیجیے۔ مسلمان دن بھر میں پانچ مرتبہ محلے کی مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ ہفتے میں ایک مرتبہ جامع مسجد میں نماز کے ساتھ خطبہ سننے کے لیے آتے ہیں۔ سال میں دو مرتبہ بڑے میدان میں نمازِ عید اور سالانہ خطبے کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ عمر بھر میں کم از کم ایک مرتبہ بیت اللہ کے گرد اور عرفات کے میدان میں جمع ہوتے ہیں۔ کسی عبادت میں جان لگاتے ہیں، کسی میں مال خرچ کرتے ہیں۔ کسی میں جان بھی کھپاتے ہیں مال بھی لگاتے ہیں۔ جان مانگی جائے تو وہ بھی وار دیتے ہیں۔ قربانی بھی کرتے ہیں اور خود قربان بھی ہوتے ہیں۔ ایک مخلوق کے پاس اپنے خالق کو پوجنے کے جتنے انداز ہوسکتے ہیں، ان سب کو اپنا کر خالق کی خالقیت کا اقرار ہر لحظے ہر لمحے کرنے والی قوم صرف اور صرف مسلمان ہے۔ معبودِ حقیقی کی عبدیتِ حقیقی تمام مخلوقات میں جیسی اہلِ اسلام کے ہاں ہے...... دعویٰ نہیں حقیقت یہ ہے کہ...... ایسا انسانوں کے کسی اور گروہ، قوم یا مذہب میں نہیں۔ ایسا کیوں ہے؟

ایسا اس لیے ہے کہ میرے دوستو! اسلام عشق بھرا مذہب ہے۔ یہ عقل کو تو متاثر کرتا ہی ہے لیکن عقل وشعور سے زیادہ انسان کے دل میں نمو پانے والے لطیف جذبات کو عاشقانہ اداؤں میں

اور اس راستے میں پیش ... انسانی تاریخ میں عشق کے جیسے مظاہرے
تبدیل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے انسانی تاریخ میں عشق کے جیسے مظاہرے اور اس راستے میں پیش
آنے والے امتحانوں سے گزرنے کے لیے جیسی قربانیاں دینِ حنیف کے ماننے والوں نے دی
ہیں، اپنے محبوبِ حقیقی کو پانے کے لیے جس ایثار اور مجاہدے کا مظاہرہ اُمتِ محمدیہ نے کیا ہے، اس
کی نظیر پیش کرنے سے انسانیت عاجز ہے۔ آپ عشقِ مجازی کے مراحل کو درجہ بدرجہ لے لیجیے اور
پھر اسلام کے ارکان وعبادات پر منطبق کر لیجیے۔ دلوں کے تاروں کو چھیڑنے والی عشقیہ ادائیں
سوز وگداز پیدا کرتی اور اپنا آپ منواتی نظر آئیں گی۔ مثلاً:

انسان جب کسی فانی مخلوق کے جھوٹے عشق کے چکر میں پڑ جاتا ہے تو اسے اس کا نام لینے
میں مزہ آتا ہے۔ کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہوتا اور اپنے مولا کے نام کی مالا جپنا عشق کے اس
پہلے مرحلے کا ظہور ہے۔

پھر عاشق کو معشوق سے بات چیت اچھی لگتی ہے اور مزہ دیتی ہے۔ مسلمان نماز کی شکل میں
پانچ وقت اپنے رب سے براہِ راست گفتگو کرتا ہے۔ رب تعالیٰ سن کر جواب دیتا ہے۔

پھر جو اچھا لگے اس کے لیے مال لٹانے میں مزہ آتا ہے۔ مسلمان بھی زکوٰۃ، صدقات،
خیرات کی شکل میں اپنے محبوب کو نذرانے گزارتے ہیں اور بدلے میں ستر گنا پاتے ہیں۔

عشق میں ایک مرحلہ ایسا بھی آتا ہے جب عاشق مست و بے خود ہو کر محبوب کے در کے دیوانہ
وار پھیرے لگاتا ہے۔ وقت آپڑے تو اس کے لیے جان بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔
طواف اور حج کچھ اسی قسم کی دیوانوں والی عاشقی کی حامل کیفیات ہیں جن کا لطف صحیح معنوں میں
اس وقت آتا ہے جب انسان عقل کو تھوڑی دیر کے لیے (کم از کم دیارِ محبوب وحبیب کے سفر میں)
الگ رکھ کر آدابِ عشق کے مطابق حج کا چلہ لگانے کی کوشش کرے۔

پھر آپ نے یہ بھی سوچا کہ مسلمان اتنا عظیم الشان نظام، اتنی زبردست یادگاروں کے حامل اور
اتنے مقدس ورثے کے محافظ ہونے کے باوجود دنیا والوں کی نظر میں اتنے کیوں گر گئے ہیں کہ کبھی

کبھار اپنی نظروں میں بھی گرے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ''آداب عشق'' بھلا دیے ہیں۔ وہ آثارِ نبی ﷺ سے محبت اور ان کی حفاظت کے حوالے سے افراط تفریط کا شکار ہو گئے ہیں۔ وہ حج کی عاشقانہ عبادت کو بھی ''ظاہر پرستی'' کے پیمانے میں تولنے لگ گئے ہیں۔ آج کل کے مسلمان ''عقل پرست'' بہت ہو گئے ہیں۔ ہر چیز کو نفع نقصان کے پیمانے میں تولتے ہیں۔ اعداد و شمار کی بھول بھلیوں میں پھنسنے کے باوجود غیب کے خزانوں سے رحمتیں لوٹنا چاہتے ہیں، جبکہ اس کائنات میں عقل و عشق کا معرکہ جب بھی ہوا عقل تماشا دیکھتی رہ گئی اور عشق دیوانہ وار آتش میں کود کر محبوب کا وصال حاصل کر گیا۔ آج عقلیت پسندی یا عقلیت پرستی کے فتنے نے ہر چیز کی طرح حج کو...... جو سراپا یادگارِ عشق و عشاق ہے...... اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔ اتنے کا پیکیج ہو۔ یہ یہ سہولتیں ہوں۔ یہ یہ ساتھ لے کر جانا ہے۔ یہ یہ ساتھ لے کر آنا ہے۔ فہرستیں بنانے اور حسابی فارمولے جوڑنے نے اُمت کو جذب و عشق کے مقامات طے کرنے سے روک رکھا ہے۔ انہوں نے محبوبِ حقیقی کے عشق اور حبیب ﷺ کی بے لوث محبت سے اپنے روحانی امراض کی دوا تلاش کرنی چھوڑ دی ہے۔

سفرِ حج پر جانے والوں سے درخواست ہے کہ ان چالیس دنوں میں عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی تک کا سفر طے کرنے کے لیے مجاہدے اور ریاضت پر کمر کس لیں۔ اپنے علم اور ارادے سے اللہ کی نافرمانی کسی شکل میں نہ ہونے دیں اور لایعنی سے حتی الامکان پرہیز کریں تاکہ گوہرِ مقصود ''حجِ مبرور'' کی شکل میں ہاتھ آئے۔ اس کے لیے حج کے مسائل کی مستند کتابوں کے ساتھ ساتھ دلوں کو نرم کرنے اور فکرِ آخرت پیدا کرنے فضائلِ حج اور رودادِ عشق پر مشتمل کتابیں بھی پڑھیں (حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی فضائل حج اور حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی دامت برکاتہم کی ''سوئے حرم'' اس حوالے سے بہترین کتابیں ہیں) نیز متبرک آثار کی زیارت کے وقت ان سے وابستہ تاریخ و سیرت کے مستند واقعات کا تذکرہ سنیں اور سنائیں تاکہ دل کے بند دروازے وا ہوں اور دل نرم ہو کر ان میں دراڑیں پڑ سکیں تو اللہ کی رحمت جاگزیں ہو کر باطن کی ظلمتیں ختم ہو جائیں۔

ایسا کیوں نہیں؟

عالم اسلام اور سعودی عرب میں پائے جانے والے فاصلوں کا تجزیہ سعودی عرب کے مقیمین و زائرین کی اپنے اس وطنِ ثانی سے قلبی لگاؤ نہ رکھنے کی وجوہات

کیا آپ نے کبھی سوچا کہ دنیا بھر سے ہر سال لاکھوں حجاج و معتمرین سعودی عرب جاتے ہیں؟ حکومت سعودیہ انہیں سہولتیں بہم پہنچانے میں اپنی طرف سے کسر نہیں چھوڑتی۔ ہر سال نئی تعمیرات، نئی سہولتیں، نئے منصوبے تشکیل دیتی ہے۔ لاکھوں کروڑوں ریال خرچ کرتی ہے۔ بعض جگہوں پر تو پانی کی طرح پیسہ بہاتی ہے۔ نہ روحانیت کے متوالے اتنے زائرین دنیا کے کسی اور ملک جاتے ہوں گے نہ اتنا ان کو سہولت دی جاتی ہوگی۔ اس کے باوجود واپس آنے والے...... چاہے وہ نوکری کرکے آئیں یا عبادت و زیارت کرکے...... اپنے میزبانوں کے لیے شکر گزاری کے جذبات کا اظہار نہیں کرتے۔ ان کے لیے اچھے سفیر و ترجمان نہیں بنتے۔ ان کے گن نہیں گاتے۔ الٹا بہت سے لوگ، جن میں پڑھے لکھے، جہاں دیدہ اور صاحب عقل و فہم لوگ بھی شامل ہیں اور دنیا کے تقریباً ہر خطے سے تعلق رکھتے ہیں...... ان سے شکوہ شکایت کرتے، دلوں میں رنجش و کدورت محسوس کرتے اور ناراضی کا اظہار کرتے پائے جاتے ہیں۔ آخر ایسا کیوں نہیں کہ لوگ خدام حرمین سے محبت کریں اور ان کے بارے میں اچھے جذبات کا اظہار کریں تاکہ عالم اسلام میں اتحاد و اتفاق کی روح پرور فضا پروان چڑھے۔

ڈگری یا کاروبار کے لیے جانے والوں کو رہنے دیجیے۔ دنیاوی معاملات میں شیشے میں بال یا تعلقات میں دراڑ آ ہی جاتی ہے۔ جو لوگ چند دن کے لیے، صرف اور صرف حرمین شریفین کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اور انہیں کسی سے کوئی غرض مطلب نہیں ہوتا، بلکہ صبر و شکر کو اپنے اس روحانی سفر کی کامیابی کے لیے ضروری شرط سمجھتے ہیں، وہ بھی اپنے خدام اور میزبانوں کو کلمات تحسین سے کم ہی نوازتے ہیں اور بالآخر ایسا وقت آ جاتا ہے جب ان کا پیمانہ صبر لبریز ہونے لگتا ہے اور وہ بھی رفتہ رفتہ شکایت کی فہرست بناتے بناتے جارحانہ تبصروں پر اُتر آتے ہیں۔

یہ رویہ زائرین میں قدر مشترک بنتا جا رہا ہے اور بجائے اس کے کہ سفر حج و عمرہ "عالم اسلام" میں اتحاد و اتفاق اور ایسے بھائی چارے کی بنیاد بنتا جس میں برادرانہ تعلقات اور خیر خواہانہ جذبات کا محور سعودی حکومت اور سعودی حکمران ہوتے، اس کے بجائے دوریاں اور فاصلے پیدا ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ اگر محض اتنی ہوتی کہ زائرین کی کثرت کی وجہ سے انتظام برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے اور جتنی بھی کوشش کی جائے، کہیں نہ کہیں جھول رہ ہی جاتا ہے تو پھر کوئی بڑی بات نہ تھی۔ انسان سے اس کی استطاعت سے بڑھ کر کسی چیز کا مطالبہ اور اس کے نہ ملنے پر شکوہ کسی طرح روا نہیں...... مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔ اس اعتراف کے باوجود کہ حکومت سعودیہ اپنے بہترین وسائل اور تجاویز کو بروئے کار لا رہی ہے، ناراضی اور شکوے ہیں کہ ختم ہونے میں نہیں آ رہے۔ کبھی آپ نے سوچا ایسا کیوں ہے؟ اور ایسا کیوں نہیں کہ لوگ خدمت کے جواب میں شکریے کا رویہ اپنائیں؟

حکومت سعودیہ نے اس کی وجوہات پر غور کیا ہو یا نہ ہو، یا شاید یہ خود اس امر پر ہی غور نہ کیا ہو کہ ایسا ہے بھی یا نہیں...... لیکن ہمیں بہرکیف اس ناپسندیدہ صورتحال کی وجوہ اور اسباب کا کھلے دل سے جائزہ لینا چاہیے اور خیر خواہانہ انداز میں اسے حرمین کے ارباب حل و عقد کے سامنے رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ بلاد حرمین عالم اسلام کا قلب ہے۔ حکومت سعودیہ اس کی خادم ہے۔ اس کے ساتھ خیر خواہی اور بھائی چارے کی فضا قائم کرنا تمام عالم اسلام کے لیے ضروری ہے۔ بالخصوص

جبکہ وہاں غیر مسلم فوجیں آئی بیٹھی ہیں اور پڑوس کے ایک ملک کا ہوّا کھڑا کر کے اس کے لیے مشکلات کا سبب بن سکتی ہیں۔ ان حالات میں حکومت سعودیہ کے ساتھ برادرانہ تعلقات کو مستحکم کرنا، خیر خواہانہ رویہ اختیار کرنا اور اس کے تقاضے نبھانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

جہاں تک اس عاجز کے ناقص مشاہدے و تجزیے کا تعلق ہے تو یہ چیز ہمیں بہت زیادہ کھلتی رہی ہے اور اس عاجز نے اس کے تدارک کے لیے بلاد حرمین کے سفر کے دوران باریک بینی سے جائزہ لے کر جو وجوہات متعین کی ہیں، ان کو امت کے فہیم عناصر کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ اگر وہ کلی یا جزوی اتفاق کریں تو ای میل وغیرہ کے ذریعے برادر ملک کے اربابِ حل و عقد اور ان کے سفارت خانوں، وزارتوں تک خیر خواہانہ مشورہ مناسب انداز میں پہنچانے کی کوشش کریں۔ شاید اس سے خیر کا پہلو نکل آئے۔ یہ وجوہات ممکن ہے کڑوی ہوں، ممکن ہے مشاہدے کا فرق ان تجزیوں اور تجاویز کے ساتھ مکمل اتفاق سے مانع ہو، ممکن ہے ان میں ایسے الفاظ و تعبیرات ہوں جو ناگوار گزریں، لیکن خیر خواہی کی نیت سے کہی گئی بات کو تحمل سے سننا کچھ نہ کچھ فائدہ دے ہی جاتا ہے۔ راقم یہاں چار بنیادی وجوہ کے ذکر پر اکتفا کرے گا۔

(۱) خدمت پر مامور عملے کا سرد رویہ:

سب سے پہلی چیز جو پہلے مرحلے میں ہی کوفت اور بیزاری پیدا کرتی ہے اور سرزمین حرم پر قدم رکھنے والے زائر کے حساس اور لطیف جذبات کو ٹھیس پہنچاتی ہے، وہ ایئرپورٹ پر موجود عملے کا برف جیسا سرد رویہ اور بطخ جیسی سست رفتاری کے ساتھ مہمانوں کو نمٹانا ہے۔ دنیا بھر کے ممالک اپنے فضائی اڈوں پر متعین عملے کو خوش اخلاقی اور فرائض کی توجہ کے ساتھ ادائیگی کا پابند کرتے ہیں، لیکن بارہا یہ محسوس کیا گیا ہے کہ اپنے ہم مذہب مسافروں اور خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مہمانوں کے ساتھ سعودی عملے کا رویہ ویسا نہیں جیسا کہ دنیا بھر میں فسق و فجور کے لیے جانے والے آوارہ مزاج سیاحوں کے ساتھ ان کے میزبان ممالک کا ہوتا ہے۔ ایسی سر

مہری کہ اس میں نوکری وملازمت کے لیے جانے والے اور فقط حج وعمرہ کے لیے حرم کا قصد کرنے والے میں بھی کوئی فرق نہیں۔ ایسی بے توجہی کہ اس میں حالت احرام میں ہونے یا اہل علم یا معمر سفید ریش بزرگ ہونے سے بھی کوئی فرق نہیں۔ بارہا دیکھا اور سنا گیا کہ حجاج ومعتمرین انتہائی عقیدت ومحبت کے جذبات لے کر اس پاک سرزمین میں داخلے کے لیے قطار لگائے بیٹھے ہیں اور سامنے کھڑکی میں بیٹھا نوجوان مکمل لاتعلقی اور بے دلی سے کام نمٹا رہا ہے یا عین ڈیوٹی اور رش کے دوران کسی ساتھی سے پورے انہماک کے ساتھ گپ شپ میں مصروف ہے۔ اسے احساس ہے کہ اس کی ایک مسکراہٹ پوری دنیا کا دل اس کے ملک کے لیے جیت سکتی ہے، لیکن وہ نہ جانے کیوں روکھا چہرہ بنانے یا ماتھے پر تیوریاں چڑھانے کو اپنے پیشے کا تقاضا سمجھے ہوئے ہے۔ اگر بہت سے متحمل مزاج علماء سے جن کا تعلق مختلف ممالک سے ہے، بندہ نے خود ان پر بیتے ہوئے واقعات نہ سنے ہوتے اور بچشم خود ملاحظہ نہ کیا ہوتا تو ایسا کبھی نہ لکھتا، لیکن واللہ! واقعہ یہ ہے کہ ہمارے اساتذہ ومشائخ اور دوسرے ممالک کے زعماء ومعتبرین (عوام کو اگر رہنے بھی دیجیے) کو پیش آنے والے واقعات اتنے ہیں کہ اگر انہیں لکھنے بیٹھیں تو پورا "شکوہ نامہ" تیار ہو جائے، لیکن یہ ایسی عام مشاہدے والی چیز ہے کہ اس کے شواہد پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ رویے کو بدلنے کی ضرورت ہے جس پر کچھ خرچ نہیں ہوگا اور دل ٹوٹنے کے بجائے جڑ جائیں گے۔ اللہ کی رضا کے لیے ٹوٹے دلوں کو جوڑنا ثواب والی عبادت اور آج کی اہم ضرورت ہے۔

پھر تیز رفتاری سے مسافروں کو مع سامان نمٹانے والی وہ مشینیں جو دنیا بھر میں وافر ہیں، نجانے کیوں جدہ ومدینہ منورہ کے فضائی اڈوں پر دستیاب نہیں۔ جو لوگ بذریعہ دبئی حرمین جاتے ہیں، وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہتے کہ دبئی ایئرپورٹ پر اتنی لمبی قطار سامان سمیت اتنی جلدی کیسے فارغ ہو جاتی ہے اور یہی مسافر جب دوسرے جہاز سے جدہ یا مدینہ منورہ پہنچتے ہیں تو اتنی چھوٹی سی قطار بغیر سامان کے اتنی طویل اور صبر آزما کیوں ہو جاتی ہے؟ سعودیہ کے پاس ماشاءاللہ نہ

وسائل کی کمی ہے اور نہ اسباب فراہم کرنے میں کوئی رکاوٹ ہے۔ دبئی میں دنیا بھر کے عجیب عجیب حلیے والے (اور والیاں) اور عجیب ارادوں والے غیر مسلم (اور غیر مسلمات) جس سہولت سے اسلامی ملک میں داخل ہوتے اور جس آسائش سے واپس جاتے ہیں، اگر اتنی ہی یا اس جیسی سہولتیں زائرینِ حرم کو حرمین شریفین کی خدمت کی لاج رکھتے ہوئے مہیا کر دی جائیں تو اس ناگوار سبب کا خاتمہ ہوسکتا ہے جو خدام حرمین کے خلاف شکوہ شکایت کی زبان ان کے ملک میں قدم رکھتے ہی کھلوا دیتا ہے اور وطن واپس آتے وقت تو یہ کوفت اور بیزاری نکتۂ عروج پر پہنچ چکی ہوتی ہے۔ ابتدا و انتہا، آمد و رخصتی کے وقت پیش آنے والے دل سوز تجربات زائرِ حرم کا صبر و شکر چھین کر ثواب ضائع کرتے اور اپنے پُرخلوص میزبانوں کے لیے برادرانہ جذبات کو ٹھیس پہنچاتے ہیں۔

(۲) اختلافی مسائل میں انفرادی رائے پر اصرار:

دوسری وجہ وہ فروعی اختلافی مسائل ہیں جنہیں اپنانے کا حق علمائے مملکت سعودیہ کو ہوسکتا ہے، لیکن دنیا بھر سے آئے ہوئے اہل سنت والجماعت کے مختلف مسالک حقہ کے پیروکاروں کو یہ مسائل تعلیم دینے (یا ان پر مسلط کرنے) کا حق کسی طرح انہیں حاصل نہیں ہوسکتا اور نہ کبھی کوئی زائر اپنے محترم میزبانوں کو یہ جبری مسندِ ارشاد دینے پر تیار ہوگا۔ فروعی مسائل میں اجتہادی اختلاف شروع سے چلا آرہا ہے اور اس میں اُمت کے لیے ایک طرح کی رحمت پوشیدہ ہے۔ اس لیے شروع سے اہل علم کا یہ رویہ رہا ہے کہ کسی دوسرے مسلکِ حق سے وابستہ امتی پر اپنا مسلک مسلط کرنے کے بجائے اس کے مسلک کا احترام کرنا چاہیے۔ چہ جائیکہ بغیر پوچھے اسے اپنی اختلافی اور متنازع تحقیق خود سے بتانا اور اسے واحد صحیح قول کے طور پر باور کرانا۔ اس کی اجازت تو علمی اخلاقیات دیتی ہیں نہ حکمت وتدبیر کی رو سے یہ درست معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ہو یہ رہا ہے کہ ایک عامی اور اجنبی زائر جب سرزمین حرم پر اُترتا ہے تو اسے کچھ کتابچے پیش کیے جاتے ہیں۔ وہ انتہائی عقیدت سے انہیں وصول کرتا ہے۔ جب کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ ان کتابوں میں درج

اختلافی مسائل کی انفرادیت اور ندرت کو بھانپ لیتا ہے تو یکایک وہ عقیدت ومحبت، تشویش اور خلجان میں تبدیل ہو جاتی ہے اور ان کتابچوں پر چونکہ بادشاہ مملکت کا نام ہوتا ہے تو آپ اندازہ لگائیں کہ وہ اپنے میزبانوں کے بارے میں کیسے جذبات دل میں محسوس کرتا ہوگا؟

بات اختلافی کتابچوں اور پمفلٹوں تک محدود رہتی تو خیر تھی، لیکن یہ سلسلہ حرم شریف میں ہونے والے بیانات سے لے کر آثارِ مقدسہ پر کھڑے رضا کاروں کی ہدایات تک مسلسل جاری رہتا ہے اور لحہ بہ لحہ زائر کی پریشانی اور دکھ میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ بالآخر وہ ناکوں ناک بھر بھرا کر واپس وطن لوٹتا ہے اور خدام حرمین کے اس مسلکی عدم تحمل پر تحمل نہ کرتے ہوئے پھٹ پڑتا ہے۔ سب سے افسوس ناک امر حرم شریف کے صحن میں عین مطاف میں ہونے والے وہ اختلافی بیانات ہیں جن میں نام لے کر اُمت مسلمہ کی قابل قدر علمی ہستیوں کے بارے میں بدگوئی کی جاتی ہے اور پوری بے باکی سے کی جاتی ہے۔ ایک عام آدمی جس نے اسلامی تاریخ کی ان معتبر ہستیوں کی عقیدت دل میں بسائی ہوتی ہے، وہ ان خطیب صاحب کا تو کچھ نہیں بگاڑ سکتا، البتہ انہیں یہاں متعین کرنے والے حکام کے خلاف اپنے دل میں شدید جذبات اُمڈتے ہوئے محسوس کرتا ہے۔ یہ چیز کسی طرح سعودی حکام اور حرمین کے خدّام کے حق میں نہیں جاتی اور ان کے خلاف غیر مناسب جذبات کی آبیاری کا سبب بن رہی ہے۔ انہیں اس پر فوری توجہ دینی چاہیے۔

(۳) آثار نبی ﷺ سے تغافل:

تیسری چیز سب سے زیادہ خطرناک اور اندوہناک ہے۔ اسلام ایسا مذہب ہے جس کے ماننے والے اپنے پیغمبر ﷺ (فداہ امی وابی) سے شدید محبت کرتے ہیں۔ یہ ان کے متعلق یادگاروں سے عاشقانہ ووالہانہ تعلق رکھتے ہیں۔ زندگی میں ایک مرتبہ موقع ملا ہوتا ہے تو ان کی دید سے اپنی پیاس بجھانے اور مضطرب دل کو تسکین دینے کی فطری کوشش کرتے ہیں اور کسی کو اس پر کوئی اشکال بھی نہیں ہونا چاہیے کہ حدود کے اندر رہتے ہوئے عشق ومحبت کا اظہار ایک فطری چیز

ہے۔ آپ زائر کو حد کے اندر رہنے کی تلقین تو کر سکتے ہیں لیکن ان کی محبوب ہستی سے منسوب آثار کو سرے سے مٹا دینا قرین شرع و عقل نہیں۔ ساری دنیا میں آثارِ قدیمہ کا باقاعدہ محکمہ ہوتا ہے اور ان ملکوں کی تعظیم و توقیر بڑھانے کا سبب بنتا ہے، لیکن نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ برادر ملک سعودی عرب میں اس حوالے سے نہایت غفلت بلکہ تساہل پایا جاتا ہے۔ بہت سے اسلامی آثار شہید کر دیے گئے ہیں اور بہت سے شہید ہونے کے قریب ہیں۔ ان پر توجہ دینے کے بجائے ان کی بوسیدگی اور انہدام کا انتظار یا انتظام کیا جا رہا ہے۔ میں ان مقدس آثار و مقامات کی با تصویر فہرست دوں تو شاید یہ مناسب نہ ہوگا کہ اس سے منفی جذبات بھی اُبھر سکتے ہیں۔ سعودی حکام سے زیادہ انہیں کون جانتا ہوگا؟ ان کے ملک کا نظم ماشاء اللہ اتنا سخت ہے کہ چڑیا بھی پر نہیں مار سکتی۔ وہاں بلدیہ کی اجازت کے بغیر نہ کوئی ایک اینٹ دوسری اینٹ پر رکھ سکتا ہے نہ ہٹا سکتا ہے، لیکن وہ آثار جن کو اُمت کے اسلاف نے سینت سینت کر رکھا تھا اور ایک ایک اینٹ کو باوضو ذکر کرتے ہوئے نصب کیا تھا، وہ آج ڈھائی جا رہی ہیں یا ڈھائی جا چکی ہیں اور اگر سعودی حکام نے توجہ نہ دی تو مزید ڈھائی جائیں گی۔ یہ طرزِ عمل ایک زائر کے دل کو زخمی کر دیتا ہے۔ اس کے معصوم عاشقانہ جذبات کا خون ہو جاتا ہے اور اس کی بنا پر وہ مملکت کے کارپردازوں کے خلاف شدید ردِ عمل اپنے اندر سے اٹھتا ہوا اور زبان پر آتا ہوا پاتا ہے۔ مملکت سعودی عرب کے اہلِ علم اور اربابِ حل و عقد سے گزارش ہے وہ اس طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کریں بلکہ اس کو یکسر موقوف کر دیں۔ عالم اسلام ان مقدس آثار کو اپنا مشترک ورثہ سمجھتا ہے اور اس پر اس سے خاموش نہیں رہا جاتا۔

اسلامی آثار کی توقیر و احترام نہ کیا گیا تو ان آثار کے خدام و محافظین کی عزت و توقیر کیسے ہوگی؟

اس معاملے کا ایک اور ستم ظریفانہ پہلو بھی ہے جس کی طرف قابلِ احترام سعودی حکام کی توجہ دلانی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ آثارِ نبی ﷺ اور تاریخی اسلامی یادگاریں تو مٹتی جا رہی ہیں اور ان کی جگہ ایسی بلند و بالا عمارات لے رہی ہیں جن کا عجیب و غریب ڈیزائن اسلامی طرزِ تعمیر کا آئینہ دار

ہونے کے بجائے مخصوص مغربی طرزِ تعمیر سے مشابہت رکھتا ہے اور اگر آپ کہنے کی اجازت دیں تو اس مغربی طرزِ تعمیر میں روایتی عیسائی یا صلیبی طرزِ تعمیر کی واضح جھلک پائی جاتی ہے۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ حرمین کی جدید توسیع و تعمیر مکمل ہونے کے بعد مکہ مکرمہ کا 2010ء اور مدینہ منورہ کا 2015ء میں جو ماڈل دکھایا گیا ہے، اس میں حرمین کے گرداگرد ایسی عمارات بھی موجود ہیں جو یورپین طرزِ تعمیر کا شاہکار تو ہیں ہی، ان میں بعض بلند و بالا عمارات کی انتہائی بلندی پر دی گئی مخروطی شکل کے ڈانڈے مخصوص عیسائی یا صلیبی شباہت سے جا ملتے ہیں۔ اللہ نہ کرے کہ یہ حقیقت ہو، لیکن قیاسِ ظاہر اور معروف شباہت کا نتیجہ تو بہرحال انتہائی ناخوشگوار ہے۔

اگر آپ حرم شریف جائیں تو دیکھیں گے کہ بیت اللہ کے قریب بہت اونچی اونچی عمارتیں جو قدرے نامانوس شکل کی ہیں، تعمیر کی جارہی ہیں۔ حرم شریف کے قریب جہاں ترکی قلعہ ہوتا تھا، وہاں پر ایک بہت بڑی عمارت بن رہی ہے۔ اللہ معاف کرے! وہ اتنی اونچی ہے، اتنی اونچی ہے کہ آدمی اس کے نیچے کھڑا ہو یا اندر مطاف میں کھڑا ہو تو ایسے لگتا ہے کہ جیسے وہ سر پر سے جھانک رہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہم کو ہدایت دے، اس کا ڈیزائن ایسا ہے جیسا یورپین ممالک میں چرچوں کا ہوتا ہے، جیسا کہ صدر کراچی کی ایمپریس مارکیٹ میں گھڑیوں والے ٹاور کا ہے یا کیماڑی کے پاس "میری ویدر ٹاور" کا ہے۔ اس عمارت کی چوٹی پر ایک گھڑی لگی ہوئی ہے جو پانچ منزلہ اونچی ہے۔ تقریباً 42 میٹر اونچی۔ اوپر کی پوری پانچ منزلوں کے باہر چاروں طرف اس طرح کی چار گھڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ جب اس عمارت کو دیکھنے کے لیے بنیاد سے چوٹی تک سر اٹھائیں تو ایسا لگتا ہے..... ممکن ہے یہ وہم ہو لیکن بادی النظر میں ایسا ہی لگتا ہے..... یہ اسلامی طرزِ تعمیر نہیں، مغربی اندازِ تعمیر کی شبیہ ہے۔ شنید ہے کہ علمائے کرام کے کہنے پر اس کے ڈیزائن میں تبدیلی کر کے للہ اللہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔ اس سے مذکورہ بالا شباہت کی سنگینی میں کمی آگئی ہے، لیکن بیت اللہ کے قریب اس کی غیر معمولی اونچائی اور بھاری بھرکم حجم زائرین کے دل میں جو احساس پیدا کرتا

ہے، اسے کسی طرح خوشگوار نہیں کہا جاسکتا۔
دنیا بھر کے مسلم زعما، اہلِ علم اور سربرآوردہ شخصیات واداروں کو چاہیے کہ برادر سعودی حکام سے یہ گزارش کریں..... اور مطلوب حاصل ہونے تک کرتے رہیں..... کہ حرم شریف کے قریب حرم کے میناروں سے اونچی عمارت کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ اونچی عمارتیں دور دور رکھنی چاہییں۔ حرم کے جوار میں اتنی زیادہ اونچی عمارت بنانا کہ آدمی اسی کو دیکھتا رہے اور وہ ہو بھی عیسائی طرز کی اور دل پر اس کا رعب جمے، اللہ کے گھر کا رعب اور عظمت اس کے سامنے ماند پڑ جائے، یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ یہ وقت قریب آنے کی علامات میں سے ہے۔ حدیث شریف میں علاماتِ قیامت کے حوالے سے ایک پیش گوئی ہے جو ہمیں آج کل بیت اللہ کے گرد اونچی عمارتوں میں سچی ہوتی نظر آ رہی ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک تابعی سے روایت ہے
"عن يعلى بن عطاء عن أبيه قال: كنت آخذا بلجام دابة عبدالله بن عمرو رضى الله عنه فقال: "كيف أنتم إذا هدمتم البيت، ولم تدعوا حجراً على حجر؟" خلاصہ یہ کہ صحابی نے اپنے خادم تابعی سے پوچھا: وہ زمانہ کیسا ہوگا جب تم بیت اللہ کے اردگرد جو مسجدِ حرام ہے، ساری توڑ کر نئی بناؤ گے، یا آس پاس کی ساری عمارتیں گرا کر نئی بناؤ گے، وہ زمانہ کیسا ہوگا؟ تابعی نے پوچھا: "ونحن على الإسلام؟" کیا ہم اس وقت مسلمان ہوں گے؟ جواب دیا "وأنتم على الإسلام": ہاں مسلمان ہو گے، لیکن عمارتیں بڑی بڑی بناؤ گے اور عبادت کی جو اصل روح ہے، اس سے غافل ہو جاؤ گے۔ تابعی نے صحابی سے پوچھا: "ثم ماذا؟" پھر کیا ہوگا؟ "ثم يبنى أحسن ما كان." کہ پھر مسجد اتنی خوبصورت بنے گی کہ پہلے اس جیسی کبھی نہیں بنی۔ آج مسجدِ حرام کی عمارت اتنی خوبصورت ہے کہ پہلے زمانے میں اس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ آگے صحابی کے بہت عجیب الفاظ ہیں اور وہ اتنے معجزانہ ہیں کہ انہیں حدیث مرفوع کے حکم میں تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ فرمایا: "فإذا رأيت مكة بعجت كظائم" جب تم مکہ کو دیکھو گے کہ اس

پیٹ چیر کر اس میں سرنگیں نکال لی گئی ہیں "ورأیت البناء یعلو رؤوس الجبال" اور تم عمارتوں کو دیکھو کہ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی اوپر چلی گئی ہیں "فاعلم أن الأمر قد أظلك" تو سمجھو کہ وقت قریب آلگا ہے۔

بہرکیف علاماتِ قیامت کی حقانیت اپنی جگہ، ہمیں تو شریعت کے ظاہر و باطن سے چمٹے رہتے ہوئے حرمین کی خدمت و ادب نصوصِ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے کرنا چاہیے۔

(٤) پردیسی مسلمانوں کو قومیت کا اعزاز اور تحفظ کا احساس فراہم نہ کرنا:

اس حوالے سے ایک چوتھی وجہ بھی پائی جاتی ہے جو اثر انگیزی میں پہلی تین وجوہات سے کسی طرح کم نہیں، لیکن ہم اس کی تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ سعودی حکام کے غور و فکر کے لیے اشارے پر اکتفا کرتے ہیں۔ دنیا کے بہت سے ملکوں میں چند سالوں کے بعد شہریت دے دی جاتی ہے، غیر مذہب اور غیر وطن کے لوگوں کو عارضی اجازت نامے کا اعزاز تو کافی وسعت قلبی سے دیا جاتا ہے، حتیٰ کہ قومی اسمبلی کی رکنیت، دارالخواص یا دارالعوام میں شرکت کا استحقاق بھی چند برائے نام سی شرائط کے تحت دے دیا جاتا ہے..... لیکن برادر ملک اور عالم اسلام کے مرکز ارضِ حرمین میں برسہا برس رہنے اور قوانین کا احترام کرتے ہوئے بود و باش، رہائش و پیدائش کے باوجود دنیا بھر کے ذہین و باصلاحیت مسلمانوں کو سعودی قومیت کا..... اصلی یا ثانوی..... اعزاز نہیں بخشا جاتا۔ کسی غیر ملکی کے لیے حکومت و اقتدار میں شرکت تو کجا، بلدیہ کے انتظام میں شامل ہو کر عوامی خدمت کا تصور بھی محال ہے۔ قابلِ احترام سعودی حکام اس طرزِ عمل میں اپنے قومی مفادات کا تحفظ مضمر سمجھتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس سے دنیا بھر کے مسلمان عدمِ تحفظ کے احساس اور عزتِ نفس کے مجروح ہونے کا ادراک دل میں پکا لیتے ہیں۔ وہ سعودیہ کو اپنا وطنِ ثانی نہیں سمجھتے۔ اس کی ترقی اور خوشی کو اپنی ترقی اور خوشی باور نہیں کرتے۔ کماتے یہاں ہیں لیکن لگاتے اپنے ممالک میں ہیں۔ اس کے برعکس امریکہ اور یورپ کے غیر مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمان ان کی وسعت ظرفی اور غیر جانبداری کے گن گاتے

ہیں۔ جو وہاں جاتا ہے پھر انہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ ان کی ترقی کی مشین میں ایندھن بنتا اور عمر بھر کی کمائی کو وہیں لگانے میں تحفظ محسوس کرتا ہے۔ آپ ہی بتائیے یہ پورے عالم اسلام کا المیہ ہے یا نہیں؟

ہم اس وجہ کی تشریح میں زیادہ نہیں بولتے، بس سعودیہ کے اربابِ اقتدار کی خدمت میں اتنی درخواست کرتے ہیں کہ انہیں حرمین کی خدمت کے ساتھ ارض اسلام کے چپے چپے پر پھیلے ہوئے مقدس آثار کی حفاظت بھی کرنی چاہیے۔ اسی میں ان کی مملکت کا وسیع تر مفاد مضمر ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر رحمت و برکات نازل ہوں گی، دل گرفتہ امتیوں کے سینے میں شکر گزاری کے جذبات پیدا ہوں گے اور اتحاد و اتفاق اور بھائی چارے کی مبارک فضا وجود میں آئے گی۔ جہاں تک بات غلو یا بدعت کی ہے تو اس بارے میں راہِ اعتدال پر مشتمل کوئی ضابطۂ کار تجویز کیا جا سکتا ہے۔

اللہ کرے مملکت سعودیہ کے امرا و وزرا ان وجوہ کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے ان اسباب کا تدارک کریں جو ہر سال لاکھوں مسلمانوں کی حج و عمرہ کے لیے آمد اور غیر مطمئن واپسی کی شکل میں ان کو درپیش ہوتے ہیں۔

مٹتے آثار بجھتے چراغ

(1)

آثارِ نبی ﷺ سے بے توجہی کیوں؟

کیسا فتنوں بھرا زمانہ آ گیا ہے کہ ایک طرف تو سرزمین عرب سے آقائے دو جہاں، سید العرب والعجم ﷺ کے آثار مبارکہ مٹائے جا رہے ہیں اور دوسری طرف عجم میں وہ چوہڑے اور چوہڑیاں جن کو ان کے گھر میں کوئی نہیں پوچھتا، جب محبوب رب العالمین، سرتاج دو جہاں ﷺ کی بے ادبی کی کالک اپنے بدنما تھوبڑے پر لیپ لیتے ہیں تو گورا انہیں پوچھنے کے لیے چمار خانے کا چکر لگانے لگتا ہے۔ ستم ظریفی ہے کہ ناموس رسالت مآب ﷺ کی فکر تو الحمدللہ امت کو ہے اور کیسے نہ ہوگی، اس کا خمیر حبِّ نبی ﷺ سے اٹھایا گیا ہے..... لیکن آثار نبی ﷺ کے منہدم کیے جانے کی نہ اکثریت کو خبر ہے نہ قلق وصدمہ۔ سرزمین حرمین کے چپے چپے پر آقا ﷺ کے مبارک قدم لگے ہیں اور جہاں جہاں یہ پاک قدم لگے، وہاں وہاں محمدی دیوانوں کے سرخیل صحابہ کرام وتابعین عظام رضی اللہ عنہم نے یادگار بنادی۔ امت نے چودہ سو سال تک ان یادگاروں کو سینے سے لگا کر سینت سینت کر رکھا، آنکھوں کی عقیدت سے انہیں چوما اور دل کے ہونٹوں سے ان کے بوسے لیے۔ اب وہی آثار کچھ حضرات کی انفرادی رائے پر قربان ہوتے ہوئے شہید کیے جارہے ہیں اور پورے عالم اسلام سے ان کے حق میں بولنے والا، ان کے لیے کڑھنے اور تڑپنے والا..... سعودی عرب کے چند علماء وشیوخ کے سوا..... کوئی نہیں۔ جو آثار چپکے چپکے سوا ارب امتیوں کے ہوتے ہوئے شہید کیے جاچکے ہیں، ان پر آنسو بہانے والا کوئی نہیں؛ اور جو بوسیدہ ہوکر شہید

کیے جانے کے قریب ہیں، ان کے بچاؤ کے لیے رونے دھونے والا کوئی نہیں۔ بے نمازی مسلمان بھی ایک چھوٹی سی عام مسجد کا تحفظ اپنے ایمان کی علامت وضمانت سمجھتے ہیں، لیکن عین سرزمین حجاز میں وہ مبارک مسجدیں جنہیں آقا ﷺ کی پیشانی کا بوسہ لینے، آپ ﷺ کے جسم مبارک کو چھونے، چومنے اور اس کی جانفزا خوشبو سونگھنے کی سعادت حاصل ہوئی، وہ ایک ایک کر کے شہید ہو رہی ہیں اور کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم!

آقا ﷺ کی توہین تو وہ کم ذات کرتے ہیں جنہیں مسلمانوں کے عشقِ محمدی پر حسد ہے۔ انہوں نے اپنے نبی (حضرت سیدنا مسیح علیہ السلام) کی حیات میں تو ان سے وفا نہ کی۔ ان کی مخبری بھی کی اور اپنے مقدس پیغمبر کو یہود مردود کے نرغے میں اکیلا بھی چھوڑ دیا۔ بعد از رفع جسمانی ان کے ادب کا انداز یہ ہے کہ انہیں مصلوب سمجھتے ہیں اور محبت کا انداز یہ ہے کہ ان کے پیدائش کے (مزعومہ) دن میں وہ کچھ کرتے ہیں جس سے حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام ساری عمر روکتے رہے۔ دوسری طرف وہ مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ نہ صرف اپنے نبی علیہ السلام کی محبت میں اتنا آگے ہیں کہ دیوانگی کا لفظ چھوٹا اور عشق کی حدود تنگ پڑ جائیں، بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا اس حد تک ادب کرتے ہیں کہ کسی نبی کی ادنیٰ سی گستاخی کرنے والا شخص اہلِ اسلام کے نزدیک مسلمان ہی نہیں رہتا اور سارے مسلمان اس نبی کی امت سے پہلے خود ہی اس گستاخ کی گردن ناپ لیتے ہیں۔ اس بے ساختہ محبت اور متادبانہ تربیت نے مغرب کے دلوں کو کوئلہ بھری انگیٹھیاں بنا رکھا ہے اور وہ جب کسی طور اپنے جلاپے سے چین نہیں پاتے اور اس جلن کا کوئی علاج انہیں سجھ نہیں آتا تو اس ہستی کی شان میں اول فول بکنے لگتے ہیں جو ساری انسانیت کے سر کا تاج ہے اور جس نے ساری انسانیت کے انبیائے کرام علیہم السلام کا ادب کرنے کا حکم بھی دیا اور بے ادبی کرنے والے کو اس کے کیفر کردار تک پہنچانے کی مبارک روایت بھی قائم فرمائی۔

آقا ﷺ کے آثار کا تحفظ نہ کرنے والوں کی سمجھ میں کیا فتور ہے؟ اس کا تجزیہ اور ان

حضرات کے دلائل کا جواب ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔ آج کی محفل میں یہ احقر ان دس آثار کا ذکر کرے گا جو شہید کیے جا چکے ہیں یا امت کی غفلت کو مہلت سمجھتے ہوئے شہید کیے جانے کے قریب ہیں۔ ممکن ہے کوئی صاحب علم شخصیت ان پر مزید تحقیق کر کے اس فریاد کو آگے بڑھائے۔ ممکن ہے کوئی صاحب حیثیت اس آہ و زاری سے متاثر ہو کر حرمین کے خدام بالا تک یہ گزارش پہنچائے کہ امت کے پاس لے دے کے یہی چند یادگاریں رہ گئی ہیں جو ہمارے دکھوں کا مداوا اور غم بھرے دور کا سہارا ہیں۔ ہمیں ان سے محروم نہ کیا جائے تو آپ اور ہم سب کے لیے راحت وسعادت ہوگی۔ حرمین کی بے مثال خدمت کے اعزاز کی طرح اللہ تعالیٰ ان آثار کی خدمت کی برکات بھی آپ کو نصیب فرمائے۔

آثار کا تذکرہ دبے لفظوں میں کیوں؟

منہدم شدہ یا قریب الانہدام آثار کا تذکرہ یوں تو مختلف کتابوں میں دبے لفظوں کیا گیا ہے۔ دبے لفظوں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ بلاد حرمین میں رہنے والے حضرات اس موضوع پر کھل کر کچھ کہنے سے جھجکتے ہیں، بلکہ ان مقدس تاریخی آثار کے قریب رہنے والے عام افراد بھی تاریخ کے کسی طالب علم، تحقیق کار یا زائر کو ان کا اتا پتا بتانے سے پہلے کئی بار دائیں بائیں دیکھتے اور "شُرطوں" (پولیس اہلکاروں) کی سن گن لیتے ہیں کہ کہیں کسی کو ان آثار کا پتا بتانے کے جرم کی پاداش میں ان کا "خروج نہائی" لگا کر انہیں ملک بدر نہ کر دیا جائے۔ اس موضوع پر کھل کر وہی حضرات کچھ لکھ سکتے ہیں جو مملکت کی حدود سے باہر رہتے ہیں۔ حال ہی میں اس موضوع پر ایک شاندار تحقیقی و تصویری کتاب سامنے آئی ہے جس کے مصنف نے لائبریریوں میں بیٹھ کر کتابی تحقیق کے بعد محل وقوع پر جا جا کر مشاہداتی تحقیق بھی کی ہے۔ یوں اپنی اس گراں قدر تحقیقی کاوش کو جا بجا تاریخی حوالوں سے مزین کرنے کے ساتھ انہوں نے اپنے مشاہدے اور تجزیاتی مطالعے کو بھی سپرد قلم کر کے امت کی امانت کو اس کے حوالے کر دیا ہے کہ اب وہ جانے اور اس کا اپنے نبی ﷺ کے آثار سے عشق

محبت۔ عشق چیز ہی ایسی ہے کہ اس میں کوئی اور مداخلت نہیں کرسکتا۔

آثارِ نبی ﷺ پر ایک شاہکار کتاب:

یہ شاہکار کتاب ''نقوش پائے مصطفیٰ ﷺ'' کے نام سے مکتبۃ العرب کراچی (0333-2321684) سے چھپی ہے۔ اس کے مطالعے اور اس کے مصنف سے تفصیلی بات چیت کے بعد آگاہی ہوئی کہ جن آثار کے متعلق ہم عرصے سے تشویش میں مبتلا تھے، مصنف نے تقریباً ان سب کو ہی ان کی تازہ ترین کیفیت اور قدیم ترین روداد (جتنی قدیم دستیاب ہوسکی) کے ساتھ جمع کردیا ہے۔ اس لیے یہاں ہم اس کتاب کی تحقیقات سے استفادہ کرتے ہیں۔ ممکن ہے دوسرے اہل علم وصاحبان تحقیق اس کی روشنی میں اس موضوع پر مزید کام کریں، مقدس سرزمین کے خدام کو ان اہم تاریخی آثار کی حفاظت کی طرف توجہ دلائیں اور یہ زمین جو رحمت کی نشانیوں سے خالی ہوتی جارہی ہے، ان آثار رحمت کا تحفظ کرنے سے پھر سے امن وخوشحالی اور رحمت وسکینت سے مالا مال ہوجائے۔ ہم حسنِ ظن رکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ فرمانروائے مملکت کے براہ راست علم میں لائے بغیر ایک مخصوص نظریے کے حامل افراد کے پھیلائے ہوئے افکار کے تحت کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت دے اور حرمین کے خدام کو آثار نبویہ کے تحفظ وخدمت کی توفیق دے۔

یہ آثار جن کے تحفظ کے لیے فوری دیکھ بھال اور ان کی بقا کے لیے فوری توجہ کی ضرورت ہے، یوں تو بہت سے ہیں، صرف اس کتاب میں ڈیڑھ درجن سے زیادہ ایسے آثار کی تحقیق اور جدید وقدیم تصاویر موجود ہیں، لیکن ہم کوشش کریں گے کہ یہاں پانچ ایسے آثار کا تذکرہ کیا جائے جو شہید ہوچکے ہیں اور پانچ ایسے آثار پر اکتفا کیا جائے جن کے فوری تحفظ کے لیے اقدامات نہ کیے گئے تو وہ مستقبل قریب میں کسی وقت بھی شہید ہوجائیں گے یا کردیے جائیں گے۔ حج وعمرہ پر گئے ہوئے حضرات بذات خود اس کا مشاہدہ کرکے تصدیق بھی کرسکتے ہیں۔

دو اہم نکتے:

قبل اس کے کہ ہم شہید شدہ یا قریب الشہادت آثار کا تذکرہ شروع کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم دو باتیں ذکر کردیں: ایک تو ان آثار کے حوالے سے صحابہ کرام وتابعین رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل اور دوسرے ان آثار کی تحقیق وجستجو میں مذکورہ بالا کتاب کے مصنف کی جدوجہد اور مشقت ومحنت اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والا استناد اور ثقاہت۔ یہ دو چیزیں اس لیے ضروری ہیں کہ ہماری ان خیرخواہانہ گزارشات کا کوئی اور مطلب نہ لیا جائے۔ امت کو اس وقت اتحاد واتفاق کی سخت ضرورت ہے اور چونکہ حرمین اور وہاں موجود آثار کی برکت سے امت جمع ہوسکتی ہے، اس لیے ہماری یہ کوشش اتحاد واتفاق ہی کے لیے ہے۔ خدانخواستہ کوئی اور مقصد ہرگز نہیں۔

۱-عملِ صحابہ رضی اللہ عنہم:

صحابہ رضی اللہ عنہم، رسول اللہ ﷺ کے آثار کے عاشق، آپ ﷺ کی سنتوں کے متبع، آپ ﷺ کے اشاروں اور مزاج کے منتظر رہتے تھے اور آپ ﷺ کے آثار سے جی بھر کے تبرک حاصل کرتے تھے۔ اُس مٹی، اُس پانی، اُس برتن، اُس کپڑے، اُس بستر کی قیمت ان کے ہاں دولتِ کونین سے زیادہ ہوتی جس سے آپ ﷺ کا جسم مس ہوا۔ لعاب مبارک، وضو کا پانی صحابہ رضی اللہ عنہم زمین پہ بھی نہ گرنے دیتے، اپنے جسم پہ اسے ملنا دین ودنیا کی سعادت سمجھتے۔ آثار رسول ﷺ سے صحابہ رضی اللہ عنہم واکابر کو عشق تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں تو مشہور تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں اور آثار کی چلتی پھرتی تصویر ہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے آثار کی کھوج میں سرگرداں رہتے تھے۔ حضرت نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آقا ﷺ کے آثار کے پیچھے شدتِ اہتمام سے پھرتے رہنے کو اگر آپ دیکھ لیتے تو کہتے کہ یہ مجنون ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر پر روانہ ہوتے تو اپنی سواری اسی راستے سے لے جاتے جس راستے سے آقا ﷺ کا گزر ہوا۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو بڑی

محبت سے بتایا کہ میں اس لیے ایسا کرتا ہوں، ہوسکتا ہے کہ میری سواری کے کچھ قدم اس جگہ پڑ جائیں جہاں میرے آقا ﷺ کی سواری کے قدم لگے..... حج کے لیے جاتے تو ان مقامات ہی ٹھہرتے اور وقوف کرتے جہاں انہوں نے آقا ﷺ کو قیام کرتے دیکھا تھا..... جس درخت کے نیچے آقا ﷺ تھوڑی دیر ستائے، آرام کیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما اس درخت کی جڑ میں آتے جاتے پانی ڈالتے تا کہ یہ درخت زمانہ دراز تک قائم رہے اور ہم یادگار رسول ﷺ سے لطف اندوز ہوتے رہیں..... مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے راستے میں جن مقامات پہ آقا ﷺ نے نماز پڑھی تھی، ابن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی وہاں سے گزرتے ضرور اس مقام پہ نماز ادا کرتے۔ حتی کہ جس جگہ پہ آقا ﷺ قضائے حاجت کے لیے بیٹھتے، ابن عمر رضی اللہ عنہما ضرور وہاں بیٹھ کر قضائے حاجت کرتے۔ اگر قضائے حاجت کی ضرورت نہ ہوتی تب بھی بیٹھ کر اپنے محبوب ﷺ کی یاد سے ضرور دل بہلاتے۔

بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں حدیث عتبان رضی اللہ عنہ کے ذیل میں مشہور محدث حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "وفيه التبرك بالمواضع التي صلى فيها النبي صلى الله عليه وسلم، ووطئها." "اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان مقامات سے جہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی یا آپ ﷺ کے قدم مبارک لگے، تبرک حاصل کیا جاسکتا ہے۔ دوسری جگہ پہ لکھتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ کے آثار کی تلاش اور ان سے برکت حاصل کرنا مستحب ہے۔"

(فتح الباری لابن حجر رحمه الله: مكتبة الرشيد، الرياض، السعودية: ۱/ ۷۴۳)

اہتمام تابعین:

مشہور اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے مدینہ منورہ کے گورنر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو لکھا کہ جس جگہ کی صحیح نشاندہی ہو جائے کہ وہاں نبی اکرم ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی، وہاں مسجد تعمیر کردی جائے۔ چنانچہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے دور میں ان تمام مقامات پہ بڑے اہتمام

کے ساتھ شاندار مساجد تعمیر کروادیں اور پہلے سے بنی ہوئی مسجدوں کو ازسر نو تعمیر کرایا، پھر بعد کے وزراء وامراء بھی ان مقامات کی تعمیر و ترمیم کرتے چلے آئے۔ آثار و یادگار کی زیارت سے آپ ﷺ کی سیرت کی یادیں تازہ ہوتی ہیں، واقعات کا استحضار ہوتا ہے جو آقا ﷺ سے محبت و عقیدت میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔

۲-مصنف کی تحقیق وجستجو:

مصنف مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"حرمین شریفین میں ترکوں کی حکومت تھی تو انہوں نے ان آثار کی بہت عقیدت اور اہتمام سے حفاظت کی، چودہ صدیوں تک یہ آثار امت نے یوں ہی محفوظ رکھے، محبت وعشق کے جذبہ سے ایک ایک یادگار کو سینہ سے لگائے رکھا، مگر موجودہ حکومت کے دور میں آثار کے تحفظ کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی، جس کی وجہ سے امت کئی مقدس آثار سے محروم ہوتی چلی گئی، متعدد اسلامی معالم ومشاہد منہدم کردیے گئے، بلکہ بعض مقدس مساجد کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹادیا گیا۔ ہم نے ان آثار کے لیے سعودی عرب میں میلوں سفر کیا، تین ماہ کے قیام کے دوران ہم مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی مختلف لائبریریوں میں آثار رسول ﷺ کے متعلق مطالعہ کرتے، تحقیق کرتے، پھر ان کی طرف سفر کرتے، وہاں کے علماء کرام سے تحقیق کرکے، کھوج لگا کر ان مقامات کو تلاش کرتے، چنانچہ ان آثار کی طرف ہمارے متعدد اسفار ہوئے، کبھی کبھی آقا ﷺ سے منسوب ایک مقدس مقام کی تلاش کے لیے کئی بار سفر کرنا پڑا۔" (ص:۲۰)

مٹتے آثار، بجھتے چراغ
(2)

مملکتِ حرمین کے لیے باعثِ افتخار:

قارئین! راقم کو احساس ہے کہ اس وقت ملکی اور بین الاقوامی حالات نازک ہیں۔ وطن عزیز بیسیوں قسم کے اندرونی و بیرونی مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ عالم اسلام میں سے سوڈان کی شمالی وجنوبی تفریق سر پر کھڑی ہے۔ اس کے بعد نائجیریا کی تقسیم کے منصوبے پر کام شروع ہے۔ تیونس کے بعد مصر، اردن اور یمن میں انقلابی لہر کی آمد آمد ہے۔ ان حالات میں برادر ملک سعودی عرب کے لیے کسی قسم کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہونے دینا چاہیے کہ وہ حرمین کا محافظ اور مراکز اسلام کا خادم ہے۔ اس تناظر میں یقین کیجیے کہ یہ تحریر ہے ہی اس مقصد کے لیے کہ مملکت سعودیہ اس امر پر نظر رکھے کہ اس کی حدود میں ایسی کوئی چیز نہ ہونے پائے جو پورے عالم اسلام کے لیے تشویش اور نتیجتاً خود اربابِ مملکت کے لیے پریشانی کا ذریعہ ہو۔ کسی ملک میں تاریخی آثار کا پایا جانا اس ملک اور وہاں کے باشندوں کی خوش قسمتی سمجھا جاتا ہے۔ زندہ قومیں انہیں سینت سینت کر رکھتی ہیں اور قدامت میں جدت کا امتزاج کرتے ہوئے ان کی حفاظت ونگہداشت پر کروڑوں روپے خرچ کرتی ہیں تاکہ ان کی تاریخ اور تاریخی ورثہ محفوظ رہے۔ نئی نسل اور معاصر دنیا اس سے آگاہ رہے...... لیکن مقامِ تعجب ہے کہ مملکت حرمین کی حدود میں جا بجا وہ مقدس ترین آثار پھیلے ہوئے ہیں جو نہ صرف مستند تاریخی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ مذہبی اعتبار سے ان کی نظیر روئے زمین پر نہیں پائی جاتی۔ پوری دنیا کے آسمانی یا غیر آسمانی، کسی مذہب کے ماننے والوں کے پاس ایسے مستند آثار

موجود نہیں جیسا کہ سعودیہ کی سرزمین پر مسلمانوں کے پاس موجود ہیں۔ یہ تو ہمارے مذہب کی معجزانہ شان ہے کہ نبی علیہ السلام سے منسوب بہت سی چیزیں، بہت سے قدیم ترین اسلامی آثار اصلی حالت میں معتبر سند کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ تو ہمارے لیے باعث صد فخر ہے کہ ہم نے سو طرح کی عملی خرابیوں کے باوجود شعائر و آثار کی حفاظت و بقا کے لیے حوالے سے تغافل کا مظاہرہ کیا ہے نہ تساہل برتا ہے۔ یہود و نصاریٰ آج کی متمدن ترین اور ترقی یافتہ ترین اقوام شمار ہوتی ہیں، لیکن وہ اس حسرت وارمان میں گھٹ گھٹ کے رہ جاتے ہیں کہ ان کے انبیائے کرام علیہم السلام سے منسوب مذہبی شعائر اور تاریخی آثار اصلی حالت میں محفوظ نہیں۔ اس کے مقابلے میں ہم لاکھ پسماندہ، بدحال اور غیر ترقی یافتہ سہی، لیکن اس امر میں کسی کو کلام نہیں کہ ہم نے اپنے ورثے کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی امانت سمجھ کر اسے ہمیشہ سینے سے لگائے رکھا ہے اور اس کی حفاظت جانیں دے کر کی ہے۔ فرمان روائے مملکت سعودیہ کے لیے جس طرح یہ بات انتہائی قابل فخر ہے کہ وہ اپنے آپ کو ''خادم حرمین شریفین'' کہتے ہیں، اسی طرح ان کو یہ اعزاز و افتخار بھی حاصل ہونا چاہیے کہ وہ مقدس آثار و مقامات کے بھی خادم ہیں۔ ہماری یہ تحریر اسی نکتے کی طرف توجہ دلانے کے لیے ایک خیرخواہانہ گذارش ہے۔

اردن میں مقدس آثار کی جستجو و تحفظ:

اُردن کی حکومت نے ''مؤسسۃ آل البیت للفکر الاسلامی'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ اس کا سربراہ شہزادہ غازی بن محمد کو بنایا گیا ہے جو اُردن کے بادشاہ ملک عبداللہ کے چچازاد اور مشیر خاص ہیں۔ بادشاہ نے ان کو یہ کام سونپا ہے کہ اُردن میں پائے جانے والی ان تاریخی یادگاروں کی تحقیق اور تحفظ کا انتظام کریں جن کا تعلق حضور ﷺ یا آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہو۔ انہوں نے خلافت عثمانیہ کے زمانے سے محفوظ چلے آرہے ''وثائق و دستاویزات'' کی مدد سے اس درخت کو ڈھونڈ نکالا ہے جس کی شاخوں نے جھک کر آپ ﷺ پر سایہ کیا تھا۔ یہ درخت

بحیرا راہب کی خانقاہ کے قریب تھا۔ آپ نے بچپن میں اپنے چچا ابو طالب کی سرپرستی میں شام کی طرف کیے گئے تجارتی سفر کے دوران قریش کے قافلے کے ساتھ اس کے نیچے قیام فرمایا تھا۔ اس کی شاخیں آپ پر سایہ کرنے کے لیے جھک گئی تھیں جسے دیکھ کر بحیرا راہب نے قافلہ والوں سے کہا: "یہ سارے جہانوں کے سردار ہیں۔ یہ رب العالمین کے پیغمبر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گا۔" پھر اس نے آپ کے چچا ابو طالب سے پُر زور مطالبہ کیا کہ وہ انہیں آگے لے کر نہ جائیں۔ روم کے لوگ انہیں پہچان لیں گے تو قتل کر دیں گے۔ حدیث وسیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ مشہور ہے۔ کچھ عرصے پہلے تیل کی ایک پائپ لائن کا سروے کرتے ہوئے وہ شاہراہ دریافت ہوئی جو قدیم دور میں حجاز وشام کے درمیان سفر کے لیے بنائی گئی تھی۔ اس شاہراہ کا سروے کرتے ہوئے یہ عجیب وغریب درخت بھی دریافت ہوا جو سیکڑوں مربع میل پر پھیلے ہوئے صحرا کے درمیان "وحیدہ" کی طرح تنہا کھڑا تھا اور لق ودق جھلسے ہوئے صحرا میں آج تک زندہ وتوانا تھا۔ حکومت اُردن نے حدیث وسیرت، تاریخی وثائق اور مقامی لوگوں کی شہادتوں کے ذریعے اپنی تحقیق واطمینان کر لینے کے بعد اس کے گرد احاطہ بنا کر آب رسانی کا انتظام کر دیا ہے جس سے یہ درخت مکمل طور پر تروتازہ اور سرسبز وشاداب ہو گیا ہے۔ اس درخت کی بقا...... جس کے گرد سیکڑوں میل تک نہ کوئی درخت ہے نہ پانی پہنچنے کا راستہ...... حضور خاتم الانبیاء ﷺ کا معجزہ ہے تو اس کی دریافت اور تحفظ کا انتظام حکومت اردن کے لیے سعادت واعزاز ہے۔ اس واقعے کی تفصیل "البلاغ" ذی الحجہ 1431ھ کے شمارے میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے شیریں بیاں قلم سے نکلی ہوئی تحریر میں پڑھی جا سکتی ہے۔

سوچنے کی بات:

اسی شمارے میں حضرت نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اصل خط دریافت ہو گیا ہے جو حضور نبی کریم ﷺ نے ہرقل شاہِ روم کو بھیجا تھا۔ یہ خط عرب کے ایک شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والی خاتون کے

پاس نسل در نسل منتقل ہوتا چلا آرہا تھا۔ متحدہ عرب امارات کے مشیر ثقافت ڈاکٹر عزیز الدین ابراہیم نے اس خط کی اصلیت جاننے کے لیے متعدد طریقے اختیار کیے اور بہت سے قرائن وشواہد کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ خط اصلی ہے۔ اس خط کی عبارت اس کے چمڑے کی دباغت کا انداز، اس میں استعمال ہونے والی روشنائی، بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن کا جائزہ لینے کے بعد ماہرین نے اسے متبرک دریافت قرار دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا یہ مکتوب گرامی اب حکومت اُردن کے پاس ہے اور وہ اس کی حفاظت کا انتظام مکمل کرنے کے بعد اسے میوزیم میں رکھوا رہی ہے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ حکومت سعودیہ کے پڑوس میں اردن نسبتاً کم آمدنی اور متحدہ عرب امارات نسبتاً دنیا دار ہونے کے باوجود مقدس اسلامی آثار کے حوالے سے کتنے پرجوش اور سرگرم ہیں؟ کتنی عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے ہیں؟ اس کے لیے مشقت طلب تحقیق اور جستجو پر آمادہ رہتے ہیں۔ ان سب نیک جذبات اور قابل قدر کاوشوں کا اصل استحقاق تو سعودیہ کے ارباب اقتدار کو ہے۔ ان کو تسابق الی الخیرات کا مظاہرہ کرنا نسبتاً زیادہ زیب دیتا ہے۔

خدامِ حرمین سے عالمِ اسلام کی توقعات:

واضح رہے کہ ان آثار کے حوالے سے جو تحقیق ہم پیش کررہے ہیں، یہ تازہ ترین ہے اور جاں گسل مشقت برداشت کرکے، کتابوں کی چھان بین کرکے، ایک ایک مقام پر جاکے، یہ معلومات جمع کی گئی ہیں اور درد دل رکھنے والے عشاق محمد ﷺ کے سامنے انہیں غور وفکر کے لیے پیش کردیا گیا ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان تاریخی آثار میں مسجد بھی شامل ہے اور دیگر مشاہد ومقامات بھی۔ اب جہاں تک مسجد کی بات ہے تو وہ کوئی عام سی جگہ پر بھی ہو تو قیامت تک مسجد ہی رہے گی، اسے ڈھایا نہیں جاسکتا۔ اگر دوسرے آثار ہوں (غار، کنواں، درخت، پہاڑ وغیرہ) تو بھی جہاں یقینی طور پر سرکار دوعالم ﷺ کے قدم مبارک لگے ہیں، اس جگہ کے ذرّوں نے آپ کے وجود مسعود کی خوشبو سونگھی ہے، اس خوشبو سے مشام جاں کو معطر کیا ہے اور اس برکت کو جو آپ کے

سراپے میں رچی بسی تھی، اپنے اندر جذب کر کے اس رحمت کا جہاں اپنے اندر سمویا ہے جو ذرّے کو خورشید بنا دیتی ہے۔ ہمارے لیے اس سے بڑی بابرکت چیز نہیں۔ گنہگار امتیوں کا اس سے بڑا اسہارا نہیں۔ یہ مسجدیں ان ہستیوں نے بنائی ہیں جو توحید کے سب سے بڑے علمبردار تھے۔ ان آثار پر یادگاریں قرونِ اولیٰ کے ان مسلمانوں نے قائم کی ہیں جو دین کی سب سے زیادہ سمجھ رکھنے والے تھے۔ ان کے عقیدے و نظریے اور ان کے فہمِ دین کی نفی یا تنقیص کر کے نئی روش پیدا کرنا دانشمندانہ فعل نہیں ہو سکتا۔ امید ہے کہ مملکت حرمین کے فرماں روا عالمِ اسلام کے نازک اور معصوم جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے ان آثار کے تحفظ کے حوالے سے اپنا فریضہ ادا کریں گے اور دارین کی خیر و برکات سے مالا مال ہو کر دنیا میں بھی نیک نامی کمائیں گے اور آخرت میں بھی اجرِ عظیم کے مستحق ہوں گے۔

مٹتے آثار، بجھتے چراغ

(3)

ان تمہیدی گزارشات کے بعد اب ہم ان مظلوم آثار کا ذکر شروع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس تذکرے کو خیر کا سبب بنائے اور ہر طرح کے شر و فتنے سے پوری امت کی حفاظت فرمائے۔

پہلے ہم ان پانچ آثار کا تذکرہ کریں گے جو شہادت کے قریب ہیں۔ اگر اُمت مسلمہ کی طرف سے کچھ عرصہ اور ان کی طرف توجہ نہ دی گئی تو عنقریب..... شاید اگلے حج تک ہی..... منہدم کر دیے جائیں گے۔ یہ یاد رہے کہ نیچے دی گئی روداد مذکورۃ الصدر مصنف کا تازہ ترین مشاہدہ ہے جو ان کی مذکورہ بالا کتاب میں تفصیل اور تصاویر کے ساتھ ہے۔ اس روداد کے بعد راقم نے کہیں کہیں اپنا مشاہدہ اور تبصرہ بھی درج کیا ہے۔

۱۔ مسجد الکوع:

ابتدا طائف سے کرتے ہیں۔ سفر طائف کی مختلف یادگاریں آج بھی باقی ہیں اور اُمت کو جناب نبی کریم ﷺ کی جانب سے اسلام اور مسلمانوں کی خاطر دی گئی قربانیاں یاد دلاتی ہیں۔ ایک یادگار کے متعلق تازہ ترین صورتِ حال ملاحظہ فرمائیے:

"طائف کے سفر میں آپ ﷺ عتبہ شیبہ کے باغ سے واپس ہوئے تو تھوڑا آگے چل کر جبلِ ابی زبیدہ کے دامن میں نماز پڑھی۔ وہاں کے ایک کنویں سے پانی پیا۔ اس جگہ پہ اس یاد کو باقی رکھنے کے لیے یہاں ایک مسجد بنائی گئی، جو "مسجد الموقف، مسجد الکوع" سے مشہور ہوئی۔ یہ مسجد گرتی بنتی رہی۔ اب مسجد کی عمارت پرانے طرز پہ، بڑے بڑے پتھروں سے بنی ہوئی ہے۔

اس کا چھوٹا سا برآمدہ ہے، پھر مسجد کا کمرہ ہے۔(الأراضی المقدسه فی خلال الصور: الیوم حجاز: ۷۶، مولفه نجاتی اوزترك: موسسة وقف الدیانة الترکی للنشر والطباعة)

سعودی گورنمنٹ کے محکمہ "الهیئة العامة للسیاحة والآثار" کی طرف سے بعض قدیم آثار اور سیاحتی مقامات کی راہنمائی کے لیے ان مقامات پہ کتبہ (بورڈ) لکھا ہوتا ہے۔ کچھ سال قبل اس مسجد کے قریب بھی ایک تعارفی بورڈ آویزاں تھا جس پہ اس مسجد کا تعارف لکھا ہوا تھا۔ اس کا اردو ترجمہ یہ تھا: "یہ مسجد اس جگہ کی نسبت سے ہے جس کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ طائف کے پہلے سفر میں اسی مقام پہ یا اس کے قریب ٹھہرے تھے، اسی وجہ سے اس مسجد کا نام "مسجد الموقف" بھی ہے۔ دولت عثمانیہ کے آخر میں یہ مسجد بنائی گئی۔ اب اس میں ترمیم کی گئی ہے۔(الطائف.... "الهیئة العامة للسیاحة والآثار") چونکہ زائرین کی یہاں خوب آمدورفت لگی رہتی تھی، اس لیے اب یہ بورڈ ہٹا دیا گیا ہے اور اس کی جگہ ایک اور بورڈ لگا دیا گیا ہے۔" (ص:۶۵)

راقم عرض کرے گا اس نئے بورڈ میں اس مسجد کی تاریخی حیثیت کو بالکل لپیٹ سیٹ کر ملفوف اور او جھل کر دیا گیا ہے۔ نہیں معلوم کہ اس ابہام کی کیا فضیلت ہے؟

۲-مسجد روحاء اور بئر روحاء:

بدر کے سفر کے دوران آپ ﷺ "روحاء" نامی جگہ سے گزرے تھے۔ یہاں کے کنویں سے وضو فرما کر نماز پڑھی تھی۔ کنواں اور مسجد دونوں انتہائی خستہ حالت میں ہیں۔ تازہ ترین کیفیت سماعت فرمائیے:

"آپ ﷺ روحاء پہنچے۔ بئر روحاء کے قریب نماز پڑھی۔ مسجد رسول ﷺ کے آثار شکستہ صورت میں اب بھی موجود ہیں۔ مسجد کی چار دیواری منہدم ہو چکی ہے، مگر نماز پڑھنے کے لیے کچھ جگہ باقی ہے۔ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: "هذه سجاسج یعنی وادی الروحاء هذا افضل اودیة العرب." "یہ سجاسج ہے، یعنی وادی روحاء ہے۔ یہ عرب کی وادیوں میں سے افضل وادی ہے۔ یہاں مجھ سے پہلے ستر انبیاء کرام نے نماز پڑھی ہے.....۔" ایک روایت میں ہے فرمایا:

"یہاں سے موسیٰ بن عمران علیہ السلام گزرے، اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک عیسیٰ علیہ السلام یہاں سے نہ گزریں گے۔"

بئر روحاء کنویں سے آپ ﷺ نے وضو کیا، پانی پیا۔ بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈالا۔ آج بھی وہ کنواں موجود ہے اور عاشق دور دور سے اس کنویں پر حاضری دینے، پانی پینے اور اس مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں۔ ہم ظہر کی نماز کے وقت یہاں پہنچے۔ کئی پاکستانی، عربی بھائی یہاں آئے ہوئے تھے۔ ہم نے بھی اس کنویں سے وضو کر کے اس مسجد میں نماز ادا کی۔ کنویں کا پانی میٹھا، شیریں اور بہت ہی متبرک ہے۔ کنویں کے قریب آبادی کا نام "بئر الروحا" ہے۔ اس کنویں کے پانی سے اور یہاں کی سرزمین سے میرے آقا ﷺ کے قدموں کی خوشبو آ رہی تھی۔ کافی دیر تک ہم اس مقدس زمین پر آقا ﷺ کی یاد سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ پھر اوپر جا کر اس وادی کا نظارہ کیا جسے میرے آقا ﷺ نے فرمایا: "هذا أفضل أودية العرب" (یہ عرب کی سب سے افضل وادی ہے) اس وادی اور یہاں کے پتھروں اور پہاڑوں نے بھی میرے آقا ﷺ کے رخِ اقدس کی زیارت کی تھی۔ یہاں میرے آقا ﷺ کے قدم مبارک لگے۔ ہم بھی انہی راہوں پر چل کر روحانی کیفیات سے لطف اندوز ہوتے رہے۔" (ص:۱۲۸)

۲۔ مسجد بنی انیف:

مدینہ منورہ میں ایک مسجد ایسی ہے جہاں حضور ﷺ اپنے ایک نوجوان جانثار صحابی طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لانے کے دوران نمازیں ادا فرماتے رہے۔ اس صحابی کے خاندان والوں نے وہاں مسجد بنالی۔ آج کل اس کی کیفیت کیا ہے؟ ملاحظہ فرمائیے:

"بنو انیف کی یہ مسجد قبا کے جنوب مغرب میں ایک محلہ میں واقع ہے۔ مسجد قبا کے مغربی جانب کے دروازے سے نکل کر بڑی سڑک عبور کرلیں، پھر بائیں ہاتھ پر قبلہ کی جانب چلتے

جائیں۔ آگے ایک تنگ سی سڑک ہے۔ اس پر آگے جا کر دائیں ہاتھ پر کھجوروں کے باغ کے کنارے مسجد واقع ہے۔ یہ مسجد کافی عرصہ تک آباد رہی، نمازیں ہوتی رہیں، اب مسجد آثارِ قدیمہ کی شکل میں موجود ہے، جس کی کوئی چھت نہیں ہے۔ دیواریں قدیم پتھروں سے بنی ہوئی ہیں۔ کوئی دروازہ ہے نہ کھڑکی، مسجد کی شکستہ عمارت دیکھ کے دل دکھی ہوتا ہے۔ کھنڈرات کی شکل میں ویران یہ مسجد کسی اللہ والے کی منتظر ہے جو اللہ کے اس گھر اور رسول اللہ ﷺ کی اس یادگار کو خوبصورت انداز سے تعمیر کرائے۔" (ص:۳۰۵)

٤۔ مسجد وادی صہباء:

مدینہ منورہ کے اردگرد یادگاریں جب کسمپرسی کے عالم میں ہیں تو دور دراز کے آثار کا کون خیال رکھے گا؟ آیئے دیکھتے ہیں ان پر کیا گزر رہی ہے؟

"قدیم خیبر سے جنوبی طرف کے پہاڑ کو "صہباء" کہتے ہیں۔ اسی کے دامن میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد تھی۔ آپ نے خیبر جانے سے پہلے اور فتح خیبر کے بعد یہاں قیام فرمایا۔ اسی جگہ پہ ام المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ یہاں مسجد رسول ﷺ کی بنیادوں کے اثرات کافی عرصہ تک رہے۔ ہم نے ایک مقامی ساتھی سے اس جگہ کے بارے میں پوچھا: تو اس نے بتایا کہ وہاں تو اب کچھ باقی نہیں۔ آپ کیا کریں گے وہاں جا کر؟ ہم نے کہا: اسی کھنڈر میں ہمیں لے چلو جہاں ہمارے آقا ﷺ کے قدم لگے، قیام فرمایا..... وہ ہمیں پہاڑوں وادیوں سے گزراتے ہوئے الصہباء پہاڑ کے دامن میں لے گئے۔ واقعی وہاں مسجد کے کوئی آثار تو باقی نہیں البتہ اس جگہ کی تعیین کے لیے کچھ پتھر رکھے ہوئے ہیں۔ کچھ دن بعد یہ پتھر بھی اٹھا لیے جائیں گے تو ایک عظیم تاریخی مقام نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔" (ص:۳۰٦)

۵۔ بئر طوی:

آثار نبویہ میں صرف مسجدیں ہی نہیں، کچھ متبرک کنویں بھی شامل ہیں۔ ایک کنواں ہیں کہ

مکرمہ شہر میں ہے۔ عام لوگوں کو اس کا علم نہیں۔ سنیے! کھوج لگانے والوں نے انھیں دریافت کر کے قارئین کی کیسی رہنمائی کی ہے؟

"آپ ﷺ مکہ مکرمہ کے قریب ذوطوی میں پہنچے۔ رات یہاں گزاری۔ یہاں کے کنویں سے صبح کو غسل کیا، نماز پڑھی اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں و آثار کے عاشق عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بھی یہی معمول تھا۔ رات یہاں گزارتے، صبح کو اسی کنویں سے غسل کر کے مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے۔

ذوطوی مکہ مکرمہ کی ایک وادی تھی۔ آج کل صرف اس کا نام ہی رہ گیا ہے۔ وہ بھی ایک کنویں کی نسبت سے جو جرول محلّہ میں بئر طوی کے نام سے معروف ہے، ورنہ اس وادی کا سارا علاقہ آبادی میں ضم ہو گیا ہے۔ اس کنویں کے قریب جہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی تھی، ایک مسجد تعمیر کر دی گئی تھی، جس کا نام "مسجد ذی طویٰ" تھا۔ صحیح مسلم کی روایت میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مسجد ماضی قریب تک باقی رہی، بالآخر منہدم ہو گئی، البتہ طویٰ کنواں اب بھی باقی ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ زمزم کے پانی کے بعد سب سے زیادہ متبرک پانی بئر طویٰ کا ہے۔ شارع جبل الکعبۃ پر جاتے ہوئے جرول کے علاقے میں "مستشفیٰ ولادۃ" کے بالکل سامنے سڑک کے پار درختوں کے پیچھے بئر طویٰ ہے، جس کے گرد چاردیواری لگا کر اسے بند کر دیا گیا ہے۔ کنویں کے دروازے پر لکھا ہے "ماء غیر صالح للشرب" یعنی یہ پانی پینے کے قابل نہیں ہے۔" (ص: ٤٨)

راقم نے اس مقام کے قریب جا کر زیارت کی ہے۔ واللہ! کسی طور سمجھ نہیں آیا کہ پانی پینے کے قابل نہ ہونے کا کیا مطلب ہے؟

مٹتے آثار، بجھتے چراغ
(4)

اب اُن متعدد آثار میں سے صرف پانچ کا تذکرہ جو شہید ہو چکے ہیں:

۱-مسجدِ فسیح:

مظلوموں کے پیغمبر (ﷺ) کی یہ مظلوم یادگار احد کے دن آپ ﷺ پر ڈھائے گئے غم اور آپ کی استقامت وصبر کی گواہ ہے، لیکن آج اس پر کیا بیت رہی ہے؟ مظلومانہ روداد دیکھئے:

''احد پہاڑ کے دامن میں غار کے نیچے مسجد ''فسیح'' ہے۔ محراب اور دیواروں کے کچھ کچھ نشانات خستہ حالت میں باقی ہیں، جو عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تعمیر کے لگتے ہیں، باقی مسجد منہدم ہو چکی ہے۔ یہ مسجد بھی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بنوائی تھی۔ روایات میں ہے کہ غزوہ احد کے دن لڑائی سے فراغت کے بعد ظہر وعصر کی نماز آپ ﷺ نے یہاں ادا فرمائی۔ یہ چھوٹی سی شکستہ مسجد شکوہ کے انداز میں کسی مردِ صالح کی منتظر ہے، جو اس کو تعمیر کرائے اور رسول اللہ ﷺ کی یادگار محفوظ رہے۔ قریب کی آبادی بھی اس سے استفادہ کرے۔ اس متبرک مقام پہ آقا ﷺ کے قدمین شریفین لگے، جبین اطہر بھی سجدہ ریز ہوئی، مگر آج اس کی جو حالت ہے، اس کو دیکھ کر صدمے اور افسوس سے دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ پہلے اس کے اردگرد لوہے کی ایک باڑ لگی ہوئی تھی، مگر آج کل وہ بھی ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ جہاں آقا ﷺ نے سجدے کئے، نماز ادا فرمائی، آج وہ جگہ کھنڈرات کی شکل میں ہے......... فالی اللہ المشتکیٰ. (ص:۱۵٤)

راقم عرض کرتا ہے کہ 2002ء میں جب ہم اس مسجد کی زیارت کرنے گئے تھے تو جنگلہ موجود تھا۔ کیمرے کی آنکھ نے اسے محفوظ کرلیا تھا۔ اب یہ جنگلہ نہیں ہے اور کسمپرسی کا یہی عالم رہا تو خدانخواستہ مسجد جواب قریب بہ انہدام کھنڈرات کی شکل میں ہے، بھی نہ رہے گی۔ یہ سطریں جب لکھی جاچکی تھیں، اطلاع آئی کہ درج بالا کتاب کے مصنف حج سے واپس تشریف لاچکے ہیں۔ آنجناب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے تازہ ترین مشاہدے پر مبنی یہ تحریر عنایت فرمائی۔ ملاحظہ فرمائیں۔ لگتا ہے سطروں میں دل نچوڑ کر رکھ دیا ہے:

"احد پہاڑ کے دامن میں بڑے غار کے قریب "مسجد فسیح" واقع ہے۔ محراب اور دیواروں کے کچھ نشانات خستہ حالت میں باقی ہیں۔ مسجد منہدم اور ویران پڑی ہے۔ یہ مسجد بھی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دور میں تعمیر ہوئی۔ غزوۂ احد کے دن لڑائی سے فراغت کے بعد ظہر وعصر کی نماز نبی مجاہد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ادا فرمائی۔ یہ بھی روایات میں آتا ہے کہ نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر امامت فرمائی۔ (اُس وقت یہ جائز تھا کہ امام عذر کی بنا پر بیٹھ کر نماز پڑھائے، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا) بعض مؤرخین کے قول کے مطابق قرآن مجید کی آیت (يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ) (المجادلہ: ۱۱) اس جگہ نازل ہوئی یا یہاں اس آیت میں پنہاں حکم پر عمل کیا گیا، اسی لیے اس کو "مسجد احد" اور "مسجد فسیح" کہا جاتا ہے۔

دکتور محمد حرب "موسوعة مرآة الحرمين الشريفين" میں لکھتے ہیں:

"1229ھ تک اس کو مسجد فتح کہا جاتا تھا۔ اُس وقت مسجد کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ قدیم عمارت کافی خستہ حالت میں تھی۔ مدینہ منورہ کے ایک خداترس بزرگ مصطفیٰ عشقی آفندی نے اس کو دوبارہ تعمیر کرایا اور اس مقدس بقعہ کو جانوروں اور چوپاؤں کا باڑہ بننے سے بچالیا۔" (۷۰۰/٤)

اس وقت یہ شکستہ مسجد شکوہ کے انداز میں پھر کسی مردِ صالح کی منتظر ہے جو اس کو تعمیر کرائے اور رسول اللہ ﷺ کی یادگار محفوظ رہے۔ قریب کی آبادی بھی اس سے استفادہ کرے۔ اس جگہ مقام پر امام الانبیاء ﷺ نے قیام فرمایا، نہ صرف قدمین شریفین لگے بلکہ جبینِ اطہر بھی سجدہ ریز ہوئی۔ مقدس ہستیوں نے نبی مجاہد ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ بعد کے کتنے پاکیزہ لوگوں نے یہاں خداوند قدوس سے مناجات کیں، مگر آج اس مقام کی جو حالت ہے درد دل رکھنے والے حضرات کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اشک بار آنکھوں سے وہ اس دلخراش صورتحال پر صبر کے گھونٹ پیتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل ان کھنڈرات کے ارد گرد لوہے کی باڑ تھی مگر وہ بھی اب ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی ہے۔ جہاں ہمارے آقا ﷺ نے سجدے کیے، نماز ادا فرمائی، آج وہ جگہ ویران پڑی ہے۔ اب تو جانوروں کی گزرگاہ بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس مقدس گھر، نبی پاک ﷺ کی اس پاکیزہ یادگار کی اس طرح بے ادبی، بے حرمتی کا ذمہ دار کون ہوگا؟ عالیشان محلات اور کوٹھیوں میں بسیرا کرنے والے اپنے آقا ﷺ کی اس مقدس نشانی کا یہ حشر کیسے برداشت کر رہے ہیں؟..... فالی اللہ المشتکیٰ

مسجد عصبہ، مسجد النور:

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے، تو مقامِ "عصبہ" میں تشریف فرما ہوئے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل جب مہاجرینِ اوّلین "عصبہ" (قبا) میں آئے تو سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ امام تھے، کیونکہ وہ سب سے زیادہ قرآن کے حافظ تھے۔ عصبہ ایک علاقہ ہے، جہاں بہت کنویں اور کھیت ہیں۔ یہاں کی ایک قدیم مسجد کا نام بھی اس کی مناسبت سے "مسجد عصبہ" ہے۔ اس کو مسجد توبہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قبا سے مغرب میں واقع ہے۔ جو شخص مکہ مکرمہ سے طریق ہجرت روڈ پہ آئے تو دائیں ہاتھ پہ ایک باغ کے اندر واقع ہے۔ (مدینہ منورہ کی تاریخی مساجد: ۲۷،۲۶)

اس کو "مسجد نور" بھی کہا جاتا ہے۔ مسجد النور کہنے کی وجہ شاید یہ ہے کہ دو صحابہ اسید بن حضیر اور عباد بن

بشر رضی اللہ عنہما رات کے وقت آپ ﷺ سے رخصت ہوئے تو معجزانہ طور پر ان کے آگے آگے دو روشنیاں چل رہی تھیں۔ وہ اس حالت میں اس مقام تک پہنچے، پھر الگ الگ راستوں پر چل پڑے۔

(۱۵۰ صورة من صور المدينة المنورة)

مصنف اپنے حالیہ سفر سے واپسی کے بعد تازہ ترین روداد سناتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"مدینہ منورہ کے زائرین کے لیے اس مسجد کی طرف جانے کا ایک آسان راستہ ہے۔ مسجد قبا کے جنوب مغرب میں مسجد بنو انیف (مسجد مصبح) تک پہنچیں، تھوڑا سا آگے چل کر دائیں طرف کھجوروں کے باغات ہیں۔ بائیں طرف کی آبادی کا نام "حي العصبة" ہے۔ اس آبادی کے اختتام پر باغات ہیں۔ باغات سے پہلے قدیم زمانے کی آبادی کے کھنڈرات ہیں۔ انہی کھنڈرات کے پیچھے ایک باغ میں یہ مقدس مسجد موجود ہے۔ باغ کے دروازے تک پکی سڑک ہے جس پر گاڑی بھی جا سکتی ہے۔ اس باغ کے مالک کو آفرین ہے جس نے اب تک اس مقدس یادگار کو اصلی حالت میں محفوظ رکھا ہوا ہے۔ قریب ہی قدیم کنواں ہے جس کا تاریخی نام "هجيم" ہے۔ اس کنویں میں پانی تو ہے مگر استعمال نہیں کیا جاتا۔ شاید باغ کے مالک نے یہ سوچ کر اگر کنویں کی مرمت وغیرہ کرائی جائے تو اس کی یادگار قدیم حالت میں تبدیل ہو جائے گی، کنویں کو اُسی حالت پر برقرار رکھا ہے۔ البتہ قریب ہی بورنگ کر کے باغ کے لیے پانی کا بندوبست کیا ہے۔ باغ میں کام کرنے والے مزدور کی زبانی معلوم ہوا کہ باغ کا مالک بہت اچھا آدمی ہے اور اس نے بہت ہی شوق و رغبت سے اس ورثہ کو محفوظ کر رکھا ہے۔ ہم نے وضو کر کے اس تاریخی مسجد میں نماز نفل ادا کی۔ صدیوں قدیم مسجد، پتھروں کی دو چار فٹ کی دیواریں، ان قدیم پتھروں میں عجب قسم کی نورانیت۔ مقدس ٹکڑے پر میرے آقا ﷺ کی سنہری یادیں آج بھی یہاں آقا ﷺ کے قدموں اور آثار کی خوشبو آتی ہے۔ یہ پرانی تعمیر یقیناً صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ کافی دیر تک ہم اپنے آقا ﷺ کی نادر یادگار کی زیارت کا لطف اٹھاتے

رہے۔ بار بار مزدوروں سے کہتے رہے کہ باغ کے مالک کو ہمارا پیغام دینا کہ اس مقدس ورثہ کی حفاظت کرتے رہنا۔ اس کو منہدم ہونے اور مٹنے سے بچاتے رہنا۔"

یہاں تک مصنف کا مراسلہ ختم ہوا۔ اندازہ لگائیے! آثار نبی ﷺ پر کیا گزر رہی ہے؟ اب ہم سلسلۂ کلام وہیں سے جوڑتے ہیں جہاں سے چھوڑا تھا۔

۲۔ مسجد عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ:

"عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نابینا صحابی تھے۔ ایک دن کہنے لگے: "یارسول اللہ! میری نظر کمزور ہو چکی ہے۔ میرے اور میری قوم کے درمیان برسات کا پانی آڑے آجاتا ہے۔ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور میرے ہاں نماز پڑھیں تاکہ میں اس جگہ کو مسجد بنالوں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ٹھیک ہے"۔ ایک دن، دن چڑھے آپ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے گھر تشریف لے گئے، اور پوچھا: "بتاؤ! تم کس جگہ نماز پڑھنا پسند کرتے ہو؟" انہوں نے گھر کے ایک حصہ کی طرف اشارہ کیا۔ آپ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی صف بنالی۔ (الصحیح للبخاری، باب المساجد فی البیوت) یہ چاشت کی نماز تھی۔ (زادالمعاد) اس جگہ ان صحابی نے مسجد بنالی۔ یہ "مسجد عتبان رضی اللہ عنہ" کہلائی۔ مسجد جمعہ کی شمالی جانب سڑک پار کرکے جو جگہ خالی پڑی ہے، اس جگہ پر یہ مسجد تھی۔ صدیوں تک یہ مسجد قائم رہی، اور کچھ عرصہ تک آثار قدیمہ کی شکل میں قدیم عمارت کے ساتھ موجود رہی۔ زائرین اس کی زیارت کو آتے رہتے تھے، مگر اب اس قدیم عمارت کو بھی منہدم کرکے جگہ کو برابر کردیا گیا ہے۔ پرانے لوگ جگہ کی تعیین جانتے ہیں۔" (ص: ۲۰۴)

راقم عرض کرتا ہے کہ ایسے پرانے لوگ بہت کم رہ گئے ہیں اور جو ہیں وہ بھی کسی کو تاریخی آثار کا اتا پتا بتانے سے پہلے سو مرتبہ سوچتے ہیں کہ کہیں ان کا "اقامہ" ضبط نہ ہوجائے یا "خروج نہائی" لگا کر مملکت بدر نہ کردیا جائے۔ اس مسئلے پر اگر عالمی سطح پر فکر نہ کی گئی تو رفتہ رفتہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی

رحمت کا سبب اور مرکز یہ آثار ہی ختم ہو جائیں گے اور اُمت بے سہارا و بے آسرا رہ جائے گی۔

۴۔ مسجد بنی ظفر:

"آپ ﷺ ایک بار بنو ظفر کے علاقے میں تشریف لائے۔ مسجد بنی ظفر والی جگہ پہ ایک چٹان پر بیٹھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "مجھے حکم ہوا ہے کہ آپ سے قرآن سنوں۔" ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! آپ پہ قرآن اترتا ہے، میں آپ کو قرآن سناؤں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "میرا جی چاہتا ہے کہ میں کسی اور سے قرآن سنوں۔" ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سورۂ نساء پڑھنا شروع کی۔ جب اس آیت پہ پہنچا ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (النساء: ۴۱) تو آپ ﷺ نے فرمایا: "بس کرو۔" میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

(کنز العمال، سورة النساء، فضائل الصحابه)

بنو ظفر کا قبیلہ..... ان کی بستی حرہ شرقیہ میں بقیع کی مشرقی جانب تھی۔ وہیں ان کی مسجد تھی۔ یہ مسجد کافی عرصہ سے منہدم ہو چکی ہے، البتہ اس کی جگہ متعین کی جا سکتی ہے کہ یہ مسجد شارع ملک عبدالعزیز روڈ پہ جانے والے کے دائیں ہاتھ "هيئة الامر بالمعروف والنهى عن المنكر" کی سفید عمارت سے متصل چار دیواری میں واقع تھی۔

(مدینہ منورہ کی تاریخی مساجد: ص۳۸) [ص:۲۰۸]

راقم عرض گزار ہے کہ فی الحال یہ چار دیواری باقی ہے اور اس میں گھری ہوئی جگہ خالی ہے۔ آج یہاں یہ مسجد دوبارہ بن سکتی ہے۔ اگر کل کلاں کوئی پلازہ بن گیا تو پھر قیامت تک خانہ خدا کی سسکیاں ہی سسکیاں سنائی دیں گی، مداوا کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

۵۔ کہف بنی حرام:

"یہ غار جبل سلع میں بنو حرام کی گھاٹی کے قریب تھا، اس لیے اس کو "کہف بنی حرام" کہتے

ہیں۔ غزوہ خندق کے دوران نبی مجاہد ﷺ رات کو اس غار میں قیام فرماتے، صبح ہوتے ہی پہنچ تشریف لے آتے۔ پہاڑ کے اوپر غار کے پاس آپ ﷺ نے ذرا سی کھدائی کی جس سے چشمہ جاری ہو گیا، جو صدیوں تک عشاق کی پیاس بجھاتا رہا۔ مدتوں پہلے وہ چشمہ خشک ہو گیا۔ یہ غار بھی کافی عرصہ تک موجود رہا۔ اس پہ ایک قبہ سا بنا ہوتا تھا، مگر وہ قبہ زمین بوس کر دیا گیا اور غار بھی 2005ء میں ختم کر دیا گیا۔ یہ غار اور چشمہ مسجد بنی حرام کے مشرق میں ہوا کرتے تھے۔

(مدینہ منورہ کی تاریخی مساجد: ۱۴۰، جستجوئے مدینہ: ۲۸۰)

ایک بار معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی تلاش میں نکلے، کسی نے بتایا کہ آقا ﷺ جبل سلع پر تشریف لے گئے ہیں۔ یہ بھی تلاش کرتے کرتے آ پہنچے۔ دیکھا کہ آقا ﷺ اس کہف (غار) میں سجدہ کی حالت میں ہیں۔ آپ ﷺ نے اتنا طویل سجدہ کیا کہ معاذ رضی اللہ عنہ کو گمان ہوا کہ آقا ﷺ کی روح قبض ہو گئی۔ کافی دیر بعد سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد فرمایا: ''میرے پاس یہاں جبریل امین آئے تھے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''میں آپ کو آپ کی امت کے بارے میں رسوا نہیں کروں گا'' تو میں نے سجدہ (شکر) ادا کیا اور انسان اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے''۔

(المعجم الاوسط، من اسمہ مسعدۃ، رقم الحدیث: ۹۱۰۵)

اس قبہ کی تصاویر ضرب مومن کے ریکارڈ روم میں موجود ہیں۔ 2005ء سے پہلے جو لوگ جبل سلع کی زیارت کو گئے ہیں، ان کے حافظے میں قدیم طرز کا چھوٹا سا خوبصورت قبہ آج بھی اپنی یادوں کی کرنیں بکھیر رہا ہے۔ لیکن آج اس کا نام و نشان نہیں۔ امت کا یہی طرز تغافل رہا تو بقیہ یادگاریں بھی رفتہ رفتہ اسی طرح روئے زمین سے اور پھر انسانوں کے حافظے سے مٹ جائیں گی۔

۵- مسجد بنی قریظہ:

''یہود بنو قریظہ کا مسلمانوں سے معاہدہ تھا، مگر انہوں نے غزوہ خندق کے دوران غداری کی

اور معاہدہ توڑ دیا، کفار کا ساتھ دیا، اگرچہ اس میں بھی ان کو ناکامی ہوئی۔ غداری کرنے کے جرم میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا۔ اس محاصرہ کے دوران آپ ﷺ نے ایک عورت کے گھر میں نماز ادا فرمائی۔ جہاں نماز ادا فرمائی وہاں مسجد بنادی گئی۔ اس مکان کو بھی مسجد میں شامل کیا گیا۔ یہ مسجد عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بنائی تھی۔ اس کا محل وقوع عوالی میں زہراء ہسپتال اور وطنی ہسپتال کے درمیان تھا۔ شاہ فہد کے زمانہ میں اس کی مرمت کی گئی، صدیوں سے یہ مسجد قائم تھی، مگر 1422ھ میں اس مسجد کو منہدم کر دیا گیا۔

(خلاصة الوفا باخبار دار المصطفیٰ، بحوالہ مدینہ منورہ کی تاریخی مساجد: ۱٤۸) [ص۱۷۸]

راقم الحروف عرض کرتا ہے اس مسجد کی ہم نے بھی زیارت کی تھی۔ نماز پڑھی تھی۔ ہر زاویے سے تصویریں کھینچ کرلائی تھیں۔ یہ ہمارے پاس محفوظ ہیں، لیکن افسوس! اصل مسجد محفوظ نہیں رہی۔ یہ تصویریں غزوۂ بنی قریظہ پر ہمارے مضمون میں شائع ہوئی ہیں اور ''حرمین کی پکار'' کے آخر میں بھی شائع شدہ دستیاب ہیں۔

تاریخی شاہکاروں سے تغافل کا المیہ

آثارِ نبی ﷺ پر ایک قابلِ قدر تحقیق

قارئین کرام! مٹتے منہدم ہوتے آثار نبویہ کا تذکرہ کسی حد تک مکمل ہو چکا۔ اب ارادہ تھا کہ آخری قسط میں آثار کو شہید کرنے کی مشہور دلیل ''شرک بالآثار'' کا جواب دے کر اور ان مقدس آثار کے تحفظ کے لیے لائحہ عمل طے کر کے اس سلسلے کو ختم کر دیا جائے کہ اتنے میں ''جستجوئے مدینہ'' نامی ؀ ضخیم کتاب لاہور سے ہاتھ لگ گئی جس میں آثار مقدسہ پر قابلِ قدر تحقیق کی گئی ہے۔ اس کے مقدمے سے لیے گئے ایک اقتباس کے بغیر یہ سلسلہ نامکمل رہے گا، لہٰذا آثار مقدسہ کے ایک اور ''کھوجی'' کی فریاد سن لیجیے۔ اس فریاد میں تحقیق کار نے تاریخی کتابیں کھنگالنے سے لے کر آثار کے محل وقوع تک رسائی حاصل کرنے کی روداد تک اور یہود کے آثار کے محفوظ ہونے سے لے کر نبوی آثار سے تغافل پر مسلم زعما کا رونا رونے تک بہت کچھ رقم کیا ہے۔ تحقیق کار کی محنت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ کتاب کے مصادر و مراجع میں 81 عربی، 8 اُردو اور 41 انگریزی کی کتابیں شامل ہیں۔ تحقیق کو 750 نایاب تصویروں، نقشوں اور خاکوں سے مزین کیا گیا ہے۔ تحقیق کا اسلوب و انداز مروجہ معیاری جدت کا حامل ہے۔ مصنف کا نام عبدالحمید ہے۔ وہ ''عرضِ خدمت'' کے عنوان سے معنون مقدمے میں لکھتے ہیں:

''یہ شہرِ حبیب اور بلدۂ میمونہ اپنے آپ میں ایک مکمل کائنات ہے جس کی حرمت و تقدیس کا یہ عالم ہے کہ اس کے کاخ و کو، اس کے شجر و حجر، اس کے چرند پرند، اس کی ہوائیں، اس کی فضائیں اور اس ارضِ طیبہ کی مٹی تک تقدس میں حرم نبوی شریف کا حصہ ہیں اور واجب الاحترام ہیں۔ فرمان

مصطفیٰ ﷺ میں تو اس بات تک کی صراحت کردی گئی ہے کہ اس کی مٹی میں شفا ہے۔ اس کی سرزمین ان گنت آثار اور تبرکات نبوی کی امین ہے جن کی کڑی کسی نہ کسی طور پر سیرت مصطفوی ﷺ سے جڑی ہوئی ہے۔ تاریخ اسلامی کے مختلف سنگ میل انہی آثار مبارکہ کی شکل میں آج بھی ہر زائرِ طیبہ کے دلوں میں ان سوانح طیبہ کی یاد تازہ کردیتے ہیں جسے عرف عام میں "سیرت رسول مقبول ﷺ" کہا جاتا ہے۔

پچھلے تیس اکتیس سالوں میں دیکھتے دیکھتے ارضِ طیبہ میں بے شمار تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ عمرانی ترقی نے تو اس کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دی ہے۔ اس عمرانی ترقی نے بہت سے تبرکات اور دورِ نبوی ﷺ کے تاریخی آثار مبارکہ کو ہڑپ کرلیا ہے جو صدیوں سے تاریخ اسلام کے دیوانوں اور عشاق کی پیاس بجھاتے چلے آرہے تھے۔ ان آثار مبارکہ کا وجود فیوض و برکات کے اس تسلسل کی ایک کڑی تھی جو ہمارے حال کو ماضی سے منسلک کرتا تھا اور جس کی وجہ سے آج کا کم عمل مسلمان اپنے ماضی پر اتراتا نہیں تھکتا تھا۔ موجودہ کایا پلٹ ترقی کی کوکھ سے جنم لینے والے بلند و بالا پلازوں سے تاریخ اسلام تو مٹ نہیں سکی مگر اس کے آثار زیرِ خاک مدفون ہوکر رہ گئے ہیں جس سے یہ شہر مقدس اپنی روایتی تاریخیت کے ایک بہت ہی پرشکوہ اور روایتی عنصر سے محروم ہوکر رہ گیا ہے۔ جہاں ماضی میں زائر اپنی عظمت رفتہ کے سنگ ہائے میل اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اپنے دل کو تسکین دے لیا کرتا تھا، وہاں آج اس قدیم تاریخ کے جھروکے میں عصرِ حاضر کے مدینہ کی تصویر آویزاں دیکھ کر ایک لمحے کے لیے تو وہ تعریف کے پل باندھتا ہے مگر اگلے ہی لمحے آثار نبویہ کے اتنی تعداد میں فقدان پر کفِ افسوس ملتا رہ جاتا ہے۔ حجاز کا عاشق زار اور تاریخ اسلام کی عظمت و سطوت کے گن گانے والا اقبال اگر آج کا مدینہ طیبہ دیکھتا تو یقیناً یہ شعر کبھی نہ لکھ پاتا:

آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

عشاق طیبہ آج بھی انہی گزرگاہوں سے گزرنا چاہتے ہیں جہاں جہاں محسنِ انسانیت

سرکارِ دو عالم ﷺ نے قدم رنجہ فرمائے تھے، مگر جب ان گلیوں کے نشانات ہی معدوم کر دیے جائیں اور کوئی بتانے والا بھی نہ ہو تو سر پیٹنے کے سوا اور کیا چارہ کار رہ جاتا ہے؟ جہاں کبھی مقدس قبرستان ہوا کرتے تھے، وہاں محلے کے بچے فٹ بال کھیلتے نظر آتے ہیں۔ جہاں چند سال پیشتر تک متبرک تاریخی مساجد تھیں، وہاں گاڑیاں پارک ہوتی ہیں۔ کسی بھی تہذیب یا شہر کے آثار قدیمہ اس کی عظمت و سطوت کو دلوں میں اجاگر کرنے میں جو کردار ادا کرتے ہیں، وہ عصر جدید کے فلک بوس پلازے اور سکائی سکریپرز کبھی نہیں کر سکتے۔ وہ اگر اشارہ کرتے بھی ہیں تو صرف اس کے روشن مستقبل اور مادی جاہ کی طرف جو ماضی سے یکسر کٹا ہوا نظر آتا ہے۔ لوگ سات عجائبات عالم کے ماضی کے جھروکوں سے جھانک کر ان عظیم تہذیبوں کے گن گاتے ہیں جنہوں نے انہیں بنایا تھا اور جن کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے، مگر انہیں محض ان تہذیبوں کی یادگار کی خاطر زندہ نہیں رکھا گیا، بلکہ ان کو انسان کی اجتماعی عظمت رفتہ کا امین گردانا جاتا ہے..... مگر وائے افسوس کہ مدینہ طیبہ کے سلسلے میں یہ زریں اصول نظر انداز کر دیا گیا اور طیرمہ، فصیل مدینہ طیبہ اور چھٹی صدی کے مارد ینی رباط جیسے تاریخی شاہکار عمرانی ترقی کی بھینٹ چڑھا دیے گئے ہیں۔ ترقی زدہ فلک بوس عمارتیں کسی شہر کا مستقبل تو بن سکتی ہیں مگر ماضی اور تاریخ نہیں کہلا سکتیں۔ محبانِ شہر حبیب ﷺ کے لیے تو مدینہ طیبہ ایک ''ٹائم کیپسول'' سے کم نہیں جس کے روزنِ تاریخ سے جھانک کر انہیں اسلام کی سطوت رفتہ کے نقش پا تر و تازہ اور نو بہ نو نظر آتے ہیں۔ اسی کے افق سے وہ اپنے روشن مستقبل کا سورج طلوع ہوتے دیکھتے ہیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ان حجرہ ہائے مبارکہ کو مسمار کر کے مسجد نبوی شریف میں شامل کر دیا جن کی سادگی پر قیصر و کسریٰ کے پُرشکوہ محلات رشک کرتے تھے اور جن پُر تقدس و حرمت کا ہر انداز سو سو جاں سے نثار تھا تو وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اس وقت حیات تھے، زار و قطار رو رہے تھے کہ اے کاش ان کاشانہ ہائے اقدس کو یونہی رہنے دیا جاتا تاکہ بعد میں آنے والے امتیوں کو پتہ چلتا

کہ شاہ لولاک، سبز کن فکاں اور سید الانس و جاں ﷺ کا کاشانۂ اقدس کتنا سادہ تھا۔

درحقیقت مدینہ طیبہ کا معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ اس کا ماضی اسلام کی سطوت و رعنائی کا امین ہے۔ اس کے تاریخی نقش و نگار اسلام کے حال و مستقبل کے ماتھے کے جھومر ہیں۔ اس کے عمرانی ترقی کے نشیب و فراز سے تو تاریخ نوع انسانی جڑی ہوئی ہے جیسا کہ جانِ کائنات سرکارِ دو عالم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جب یروشلم آباد ہونے لگ جائے گا تو طیبہ اجڑنا شروع ہو جائے گا اور پھر جب طیبہ آباد ہوگا تو یروشلم کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ یعنی مشیت ایزدی نے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور کفر و الحاد کی موت کے ناقوس کے بجنے کو ارضِ طیبہ کی عمرانیات سے منسلک کر دیا ہے۔ یہاں نوع انسانی کو تہذیب سے روشناس کرایا گیا۔ اسی گہوارے میں بنی آدم کی عظمت نے انگڑائیاں لے کر آنکھیں کھولیں اور اسے ہی "عاصمة الدولة الإسلامية" ہونے کا اولین شرف حاصل ہوا۔ مدینہ طیبہ حیاتِ رسول مقبول ﷺ میں اس ارفع مقام پر فائز ہوا کہ حضور ختمی مرتبت خاتم النبیین ﷺ نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے اس کے سر پر رفعتوں کے تاج سجا دیے کہ "والمدينة خيراً لهم لو كانوا يعلمون." اس کی ہر گلی میں اور اس کی ہر نکڑ پر ہماری تاریخ کے آثار ثبت تھے جو کہ صدیوں سے ہماری رہنمائی کرتے آرہے تھے، مگر وائے افسوس کہ ان میں سے اکثر و بیشتر زیر زمین مدفون ہو چکے ہیں۔ اگر کوئی آثار نبویہ باقی بچ بھی چکا ہے تو وہاں اربابِ اختیار کسی کو جانے کی اجازت نہیں دیتے۔ جتنی سرعت کے ساتھ مدینہ طیبہ جدید ترقی کی شاہراہ پر چلا ہے، اسی رفتار سے یہ تاریخی آثار بھی معدوم ہوتے گئے ہیں اور اس رفتار سے یہ اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں کہ باقی چند بچے کھچے آثار کتنی دیر مزید زندگی کا سانس لے سکیں گے؟ اگرچہ ایک عرصہ سے ان تاریخی آثار مقدسہ کی حفاظت کے لیے ایک شاہی فرمان موجود ہے، مگر اس کی تنفیذ کرنے والے اربابِ حل و عقد ان آثار مبارکہ کی حفاظت کی بجائے شہر نبوی کو یورپ کے ترقی پذیر ممالک کی صفِ اول میں کھڑا کرنے کے درپے ہیں۔ اس دیوانہ پن نے اسلامی میراث کی اہمیت کا

نظریہ ہی بدل کر رکھ دیا ہے اور اس کی نگہداشت کی بجائے نظریۂ ضرورت اور مصلحتِ عامہ کو ترجیح دی جانے لگی ہے۔ صرف تین جگہوں پر ایسے بورڈ لگائے گئے ہیں جن میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ انتہائی اہمیت کے حامل تاریخی آثار ہیں، مگر بدقسمتی سے ان تینوں جگہوں پر یہود کا دعویٰ ہے، کیونکہ مدینہ طیبہ سے نکالے گئے یہود ڈیڑھ ہزار سال پہلے وہاں بستے تھے اور یہ بورڈ کے ذریعے مملکت سعودی عرب ان آثار کی حفاظت پر مامور ہے۔ یہاں پر سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ''سفرنامۂ ارض القرآن'' کے یہ الفاظ دہرائے بغیر بات نہیں بنتی جو کہ اگرچہ انہوں نے مکۃ المکرمہ کے آثار مقدسہ ضائع ہونے پر لکھے تھے، مگر مدنی آثار پر بھی اتنے ہی لاگو ہیں۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کی جائے پیدائش کے بارے میں آپ لکھتے ہیں:

> ''یہ گھر جس کی تاریخِ اسلام میں یہ حیثیت اور اہمیت ہو، اس کا سرے سے نام ونشان مٹ جانا ہمارے لیے انتہائی روحانی اذیت کا باعث ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیا کوئی بھی ایسی اسکیم نہیں بن سکتی تھی کہ یہ گھر اپنی جگہ قائم رہتا اور سڑکوں اور دکانوں کو کسی اور طرح سے تعمیر کرلیا جاتا......؟ مگر اب ہم وہاں کیا دیکھتے؟ افسوس کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ تاریخی آثار سے سعودی حکومت کا تغافل ایک ایسی چیز ہے جو عرب کی سیاحت کرنے والے ہر شخص کو بری طرح کھٹکتی ہے۔ مشرکانہ افعال کو روکنا بالکل برحق، مگر اسلام کے نہایت قیمتی آثارِ تاریخ کو ضائع کرنا کسی طرح درست نہیں۔''

ان چند سطور کے لکھنے سے ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ مدینہ طیبہ کو اس کی قدیم حالت پر ہی رہنے دیا جاتا اور اس کی عمرانیات کو عصرِ حاضر سے ہم آہنگ نہ کیا جاتا یا یہ کہ اسے عصرِ حاضر کی سہولتوں سے بہرور ہونے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا، اس کو خوبصورت رکھنے کا حکم تو خود تاجدارِ مدینہ

سرکارختمی مرتبت ﷺ نے دیا ہے اور عالی شان محلات تو بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی تعمیر کر لیے تھے۔ ایسے میں دورِجدید میں اہلِ مدینہ طیبہ کا عمرانی ترقی کے لیے استحقاق تو دوسروں سے زیادہ بنتا ہے، ہمارا مقصدِ وحید تو اس کایا پلٹ تعمیرِنو کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اس خلا سے ہے جس کی وجہ سے آج کا زائر اس صحرائے بے کراں میں راہ گم گشتہ مسافر کی طرح رہ جاتا ہے جو منزل کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹکتا رہتا ہے، مگر وہاں تاریخی آثار مبارکہ کی نہ کوئی منزل رہ چکی ہوتی ہے اور نہ ہی اس منزل کا سراغ۔ اس پر مستزاد یہ کہ کوئی اس کو راہ دکھانے والا بھی نہیں ملتا۔ یہی مشکل مدینہ طیبہ میں ہر اس زائر کو پیش آتی ہے جو آج کے مدینہ طیبہ میں اپنی میراث گم گشتہ کے سنگ ہائے میل ڈھونڈنے کی سعی لاحاصل کرتا ہے اور اسے یہ کہہ کر چپ کرادیا جاتا ہے کہ ان کو دیکھنا تو ایک طرف، ان کے متعلق سوچنا بھی شرک ہے۔ ان تمام تر مشکلات کے باوجود ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ جتنا بھی ممکن ہو سکے ان موجود اور معدوم دونوں قسم کے آثار نبویہ شریفہ کے متعلق معلومات بہم پہنچائی جاسکیں جو کہ تاریخِ مدینہ طیبہ کے آسمان کے درخشاں ستارے ہیں۔"

(جستجوئے مدینہ: ۱۲-۱۴)

آپ نے یہ تحریر پڑھ لی۔ اس کتاب میں مؤلف نے ماضی کو حال سے جوڑتے ہوئے اور عقل محدود کو عشق کی لامحدودیت سے آگاہ کرتے ہوئے اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ اب ہم اس مشہور سوال پر بحث کریں گے کہ ان آثار کے باقی رہنے میں شرک وبدعت پھیلنے کا خطرہ ہے اور یہ دونوں چیزیں اتنی خطرناک ہیں کہ ان سے بچنے کی خاطر آثار کا انہدام گوارا کرنا ہی پڑے گا؟ ہم نقل وعقل کی روشنی میں غیر جانبدارانہ جائزہ لینے کی کوشش کریں گے کہ یہ دلیل کس حد تک قابل قبول ہو سکتی ہے؟

آثار حبیب ﷺ کی حفاظت شرعی دلائل کی روشنی میں

قارئین! یہاں تک انہدام کے خطرے سے دوچار آثار میں سے چند ایک کا تذکرہ مکمل ہوا۔ ان کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ تازہ ترین اور براہ راست تحقیق ہے۔ یہ تحریر مشاہدہ پر مبنی ہے، سننے سنانے پر نہیں۔ ایک مستقل رونے کی دہائی ہے، کسی اتفاقی حادثے کی فریاد نہیں۔ واقعاتی اور خارجی تحقیق کے بعد اب ہم "خاتمہ البحث" کے طور پر اس مشہور اعتراض کا جواب دینا چاہیں گے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کچھ آثار کو شہید کر دیا تھا (ان میں ایک درخت تھا اور بروایت سنن سعید بن منصور ایک مسجد بھی) تو ان کی پیروی میں ایسے آثار کو شہید کرنا سنت فاروقی کی پیروی ہے نہ کہ غلو یا افراط۔ اس اعتراض کا تحقیقی جواب ہم بخاری شریف کی ایک مشہور اور مستند دری شرح سے نقل کرتے ہیں۔ اس میں اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا شرعی دلائل کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔

ان جگہوں کا بیان جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھی:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" میں مستقل ایک باب ان مساجد کے بیان میں قائم کیا ہے جو مدینہ منورہ کے راستے میں واقع ہیں۔ اس میں ان مواضع کا بیان بھی ہے جن میں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث روایت

کی ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان سفر کرتے تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان مقامات پر نماز پڑھتے تھے جہاں نبی کریم ﷺ نے اپنے سفر کے دوران نماز پڑھی تھی اور ان مواقع کو نہ صرف خود تلاش کر کے نماز پڑھتے تھے۔ بلکہ لوگوں کو بتلاتے بھی تھے کہ دیکھو یہ جگہ ہے جہاں نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ یہاں تک کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک جگہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتلایا کہ دیکھو یہاں حضور اکرم ﷺ نے پیشاب کیا تھا۔ انہوں نے اپنے تمام شاگردوں کو ان تمام مواضع کی تفصیل بتا دی تھی کہ کونسی جگہ ہے جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی؟

اگرچہ یہ تفصیل ایسی ہے کہ اس کی مدد سے آج کوئی آدمی وہاں نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ انہوں نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے بتایا تھا کہ دیکھو فلاں جگہ پر فلاں درخت ہے۔ فلاں جگہ پر گھاٹی ہے۔ فلاں جگہ پر پہاڑ ہے۔ فلاں جگہ پر بستی ہے۔ ظاہر ہے بہت سا وقت بیت جانے کی وجہ سے اب وہ نشانیاں مٹ گئی ہیں۔ یہاں تک کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اپنے زمانہ میں (یعنی آٹھویں صدی میں) کہہ رہے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جو مقامات بیان فرمائے ہیں، ان میں سے صرف دو باقی رہ گئے ہیں: ایک روحاء کا مقام اور ایک ذوالحلیفہ۔ باقی سارے مقامات اب دستیاب نہیں ہیں۔ بہت سی جگہیں اب تک ایسی ہیں جن کے نام اب تک وہی ہیں جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمائے تھے، لیکن جو تفصیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی تھی، وہ اب نہیں رہی ہے۔ صرف روحاء ایک ایسی جگہ ہے جہاں سعودی حکومت کے ہاتھ نہیں پہنچے، اس لیے کہ وہ جگہ ایسی ہے جہاں کوئی عمارت نہیں بنی تھی۔

آثارِ نبویہ کو کیوں مٹایا جا رہا ہے؟:

چند سال پہلے تک تو وہاں مسجد اور کنواں (بئر روحاء) موجود تھا۔ باقی جتنے مقامات بتائے ہیں یہاں تک کہ ذوالحلیفہ کی وہ جگہ جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی، اب وہاں بہت عالی

شان، لمبی چوڑی مسجد بنادی گئی ہے، لیکن اُس جگہ کو خاص طور پر محفوظ نہیں رکھا گیا ہے، وہ جگہ اس نئی مسجد کے اندر آ گئی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ علمائے نجد کا کہنا ہے کہ اس قسم کے مقامات کو خاص طور پر محفوظ رکھنا ناجائز ہے اور ''شرکِ آثار'' میں ہونے کی وجہ سے منع ہے۔ چنانچہ انہوں نے مدینہ منورہ میں ایسی کوئی نشانی نہیں چھوڑی جسے نہ مٹایا ہو۔ حضور ﷺ کے جو آثار تھے ایک ایک کرکے سب مٹادیے اور چُن چُن کر ختم کردیے۔

لمحہ فکریہ:

افسوسناک بات اور ستم ظریفی کا پہلو یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں کعب بن اشرف کا قلعہ برقرار ہے اور اس پر بورڈ لگایا ہوا ہے کہ یہ آثار قدیمہ میں سے ہے۔ خبردار! کوئی شخص اس کو نقصان نہ پہنچائے۔ کعب بن اشرف کا قلعہ تو محفوظ ہے، نہ صرف محفوظ بلکہ اس کی حفاظت کے لیے بورڈ لگایا ہوا ہے اور مدینہ منورہ کے جتنے آثار تھے ایک ایک کرکے، چُن چُن کر سب ختم کردیے ہیں۔ جس پر بس چلا اُسے اٹھا کر ختم کردیا۔ وہاں کبھی ہم جایا کرتے تھے اور وہاں پر حاضری ہوجایا کرتی تھی۔ ایک آخری چیز باقی رہ گئی تھی اور وہ مسجد قباء کے برابر حضرت اسعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہ کا وہ مکان تھا جس میں حضور ﷺ نے چودہ دن قیام فرمایا تھا۔ اب تین چار سال پہلے جب میں حاضر ہوا تو اس کو بھی ڈھادیا گیا اور وہ بھی ختم کردیا گیا۔

اس کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ آثار کو برقرار رکھنا اور آثار انبیاء اور آثار صلحاء سے تبرک حاصل کرنا "شعب من شعب الشرك" یہ شرک ہے، لہٰذا اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔

ان کا استدلال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کے ایک واقعہ سے ہے جو سنن سعید بن منصور میں مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ لوگ حج کے بعد ایک درخت کی طرف کثرت سے جارہے ہیں اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش

کر رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا وہ مسجد ہے جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی، اس واسطے لوگ جاتے ہیں کہ وہاں جا کر نماز پڑھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتیں اس لیے ہلاک ہوئیں کہ انہوں نے اپنے انبیاء کے مشاہد کو مساجد بنا دیا تھا، ان کے اندر نماز پڑھنی شروع کر دی اور ثواب کی چیز بنا دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر کسی کی نماز کا وقت ہے تو پڑھ لے اور اگر نہیں ہے تو چلا جائے۔

"من عرض له صلوٰة فليصل، ومن لا فليمض"۔

تبرک بآثار الانبیاء علیہم السلام جائز ہے:

کہتے ہیں کہ دیکھو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان جگہوں پر نماز پڑھنے سے منع کیا۔ اب یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے جس میں حضور ﷺ کی تمام جگہوں پر نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ اسی سے سارے علماء یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے مآثر سے تبرک جائز ہے جو فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے۔

لیکن ابھی حال ہی میں سعودی عرب میں وہاں کے علماء کی نگرانی میں یہ کام ہوا ہے کہ وہاں کے جدید نسخوں میں جہاں جہاں یہ بات لکھی ہوئی ہے وہاں پر ایک حاشیہ لکھ دیا جاتا ہے:

"هذا خطأ، وهذا فيه نظر، من أراد فليراجع فتح الباري: ۱ / ۵۲۲-۵۶۹"

اور "وهو أعلم بهذا الشان من ابنه رضي الله عنهما" کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی زیادہ اقتدا کرنی چاہیے بانسبت ان کے بیٹے کے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے علاوہ دیگر صحابہ سے جو متعدد روایات منقول ہیں ان کی اقتدا کیوں نہ کی جائے؟ پھر عام طور پر کہیں ایسا ہو کہ ایک حدیث صحیح بخاری کی ہو اور دوسری حدیث سعید بن منصور کی ہو تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب! بخاری کا سعید بن منصور کی روایت سے کیا مقابلہ؟ سعید بن منصور کی روایت کہاں اور بخاری کی روایت کہاں؟ لیکن یہاں پر بخاری کی جو روایت ہے اس کی

کوئی قیمت نہ دی اور سعید بن منصور کی روایت کی بنیاد پر یہ کہہ دیا کہ ایسا کرنا شرک ہے۔

تبرک بآثارِ الانبیاء کا انکار غلو اور افراط ہے:

درحقیقت یہ بالکل غلو اور دلائلِ شرعیہ سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ احادیث میں آثار انبیاء سے تبرک حاصل کرنے کے اتنے دلائل اور اتنے واقعات ہیں کہ ان کا انکار سوائے غلو کے اور کچھ نہیں۔ ایک حدیث تو آپ یہ دیکھ رہے ہیں کہ کس کس طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جری سے بتایا کہ یہاں پر حضور ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ لہٰذا تم بھی پڑھو۔ اور وہ واقعات آپ پیچھے پڑھ آئے ہو کہ نبی کریم ﷺ کے جسمِ اطہر سے کوئی تھوک یا ریزش نہیں گرتی تھی، کہ صحابہ اسے اپنے جسموں پر مل لیتے تھے۔ اب کہہ دو کہ یہ بھی شرک تھا؟

جوازِ تبرک پر مستند احادیث سے دس دلائل:

۱۔ متعدد احادیث میں منقول ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے جسم سے چھوئی ہوئی چیز کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اپنے جسم پر مل لیتے تھے۔ یہ تبرک نہیں تو اور کیا تھا؟

۲۔ خود نبی کریم ﷺ نے اپنے سر مبارک کے بال صحابہ میں تقسیم کیے تو اس کا مقصد کیا تھا؟ اگر تبرک بآثار الانبیاء علیہ السلام جائز نہ ہوتا تو خود آپ علیہ الصلاۃ والتسلیم انہیں کیوں تقسیم فرماتے؟

۳۔ نیز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان تبرکات کا ایسا تحفظ فرمایا کہ وہ پانی جس میں آپ نے کلی فرمائی تھی، وہ تقسیم فرما رہے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر پیچھے گزرا ہے۔ انہوں نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ حضور ﷺ کے جوٹھے میں سے اپنی ماں کے واسطے کچھ بچا کے رکھنا۔

۴۔ یہ وہی ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کا ایک موئے مبارک ایک شیشی کے اندر محفوظ رکھا ہوا تھا اور اس میں پانی ڈالا ہوا تھا۔ بخاری شریف میں کتاب اللباس میں یہ روایت ہے کہ سارے شہر میں جب کوئی بیمار ہوتا تو وہ اپنے ایک پیالے میں پانی رکھ کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجتے اور ان سے درخواست کرتے کہ آپ اس موئے مبارک کو

ہمارے پانی میں بھی ڈال دیجیے تو وہ پانی جو شیشی میں ہوتا جس میں موئے مبارک تھا، وہ اس پیالے میں ڈال دیتیں۔ وہ پانی مریض کو شفا کی غرض سے پلایا جاتا۔ اب دیکھیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم باقاعدہ اس کو معمول بنا رہے ہیں اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہ تبرک ان میں تقسیم کر رہی ہیں۔

٥- حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں۔ ان کی روایت بخاری کتاب الاستئذان میں ہے۔ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ سوئے ہوئے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ آپ کے جسمِ اطہر سے پسینہ بہنے لگا تو میں جلدی سے ایک شیشی لے کر آئی اور جو پسینہ آپ کے جسمِ اطہر سے بہہ رہا تھا، اس کو میں نے شیشی کے اندر جمع کر کے محفوظ کر لیا۔ جتنی بہتر سے بہتر خوشبو کسی عطر میں ہو سکتی ہے، وہ اس پسینہ مبارک میں تھی اور لوگ مجھ سے کہتے تھے کہ ہم اپنی کسی چیز کو اس کے ساتھ تھوڑا سا لگا لیں؟ لوگ اس کو یادگار و تبرک سمجھ کر لے جایا کرتے تھے۔

مسلم شریف کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ جب آپ ﷺ بیدار ہوئے تو آپ نے فرمایا: یہ کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! "اتبرک بها." " میں اپنے بچوں کے واسطے تبرک جمع کر رہی ہوں۔ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أصبت" أو كما قال عليه الصلوة والسلام. آپ نے اس کی تصویب فرمائی۔ یوں حضور اکرم ﷺ کی تائید و تصویب سے بھی یہ بات ثابت ہو گئی، فماذا بعد الحق إلا الضلال.

٦- حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ موئے مبارک تقسیم فرما رہے تھے، اس وقت انہوں نے ابوطلحہ سے آنحضرت ﷺ کی پیشانی کے چند بال لے لیے تھے اور انہیں اپنی ٹوپی میں سی لیا تھا۔ اس ٹوپی کو پہن کر جنگوں میں شریک ہوتے اور فتحیاب ہوتے۔ جنگ یمامہ میں وہ ٹوپی گر گئی، تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر نہایت زوردار حملہ کیا۔ اپنی جان کو اس طرح خطرہ میں ڈالنے پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر اعتراض کیا تو انہوں نے جواب دیا:

"لم أفعلها بسبب القلنسوة، بل لما تضمنت من شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم لئلا أسلب بركتها، وتقع في أيدي المشركين."

"میں نے ٹوپی کی خاطر اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالی، بلکہ میں نے اس لیے یہ خطرہ مول لیا کہ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بال مبارک ہیں۔ میں ان کی برکت سے محروم نہ ہو جاؤں اور یہ مبارک ٹوپی مشرکوں کے ہاتھ میں نہ چلی جائے۔" (سبل الهدی والرشاد: ۱۱/۵۱ء)

اور ایک روایت میں ہے جب یرموک کے دن ان کی ٹوپی گر گئی تو وہ پکارے: "ارے میری ٹوپی! ارے میری ٹوپی!" جنگ کے بعد ان سے کہا گیا عجیب بات ہے آپ عین گھمسان کے معرکے میں ٹوپی تلاش کر رہے تھے تو انہوں نے فرمایا:

"إن فيها ناصية النبي صلى الله عليه وسلم، ولم ألق بها أحدا إلا وَلّٰى."

"دراصل اس ٹوپی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک پیشانی کے بال ہیں اور میں نے یہ ٹوپی پہن کر جس سے بھی جنگ لڑی ہے وہ..... اللہ کے حکم سے..... پیٹھ پھیر کر بھاگا ہے۔"

(مغازی الواقدی: ۱/۸۸٤)

۷- ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ سقیفہ بنی ساعدہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: پانی پلاؤ۔ وہ ایک پیالہ لے کر آئے اور رسول کریم ﷺ کو پانی پلایا۔ حضرت سہل نے اس پیالے کو محفوظ کر لیا۔ حضرت سہل بن سعد نے جب اپنے شاگردوں کو یہ حدیث سنائی تو وہ پیالہ نکال کر لایا کہ دیکھو یہ وہ پیالہ ہے، جس میں میں نے نبی کریم ﷺ کو پانی پلایا تھا۔ سب حاضرین نے کہا کہ ہم بھی اس میں پئیں گے۔ ہر ایک نے اس میں پانی پیا۔ اس پیالہ کو باقاعدہ اہتمام کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین نے محفوظ رکھا۔

۸- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے (ان کی حدیث حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "الإصابة في تمييز الصحابة" میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حالات میں صحیح ابن السکن کے

والے سے نقل کی ہے) کہ انہوں نے ایک پیالہ رکھا ہوا تھا، جس میں حضور اکرم ﷺ نے پانی پیا تھا۔ وہ ٹوٹنے لگا تو اس کو لوہے کی کڑی سے باندھ کر یعنی اس میں تکے لگا کر اس کو محفوظ رکھا۔ دیکھیے! اصحابہ کرام رضی اللہ عنہم باقاعدہ اس کے تکے لگا لگا کر محفوظ رکھ رہے ہیں۔

۹۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے پاس حضور اکرم ﷺ کا ایک مبارک بال رکھا ہوا ہے۔ جب میں مروں تو مرنے کے بعد وہ میرے منہ میں رکھ دینا اور اس کے ساتھ مجھے دفن کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کہ دفن کے وقت ان کے منہ میں موئے مبارک رکھا ہوا تھا۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ تبرک بآ ثار الانبیاء والصالحین جائز ہے اور ازواج مطہرات، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین سے ثابت ہے۔

۱۰۔ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ جن کو نبی کریم ﷺ نے اذان سکھائی تھی اور ان کی پیشانی پر شفقت سے ہاتھ پھیرا تھا، انہوں نے ساری عمر اپنے بال نہیں منڈوائے۔ اس واسطے کہ نبی کریم ﷺ کا دست مبارک اس جگہ لگا تھا۔

یہ ایک دو واقعے نہیں، بے شمار واقعات ہیں۔ یہ عشق کی باتیں ہیں۔ یہ خشک مزاج لوگوں کی عقل میں نہیں آتیں۔ یہ ساری تفصیل احادیث کے اندر موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا طریقہ تو ذکر ہو چکا۔ عمر بن شبہ نے اخبار مدینہ میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سارے مدینہ منورہ میں اور اس کے اردگرد میں جتنی مسجدیں تھیں، جن میں نبی کریم ﷺ کا نماز پڑھنا ثابت ہے، ایک ایک آدمی سے پوچھ کر، تحقیق کر کے، ان کی تعمیر کروائی تھی، پتھر لگوائے تھے کہ یہ وہ مسجد ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے نماز پڑھی ہے۔

کیا یہ سب کام بے کار اور مشرکانہ تھے؟ اور کیا یہ سب شرک اور لایعنی کا ارتکاب کرتے تھے؟

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے منع کرنے کی وجہ:

اب رہی یہ بات کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے منع کیا تھا تو ان کے منع کرنے کے

کچھ اسباب تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس لیے منع کیا تھا کہ اہل کتاب کی طرح کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ ان جگہوں ہی کو نفع ونقصان دینے والا سمجھنے لگیں یا وہاں نماز پڑھنے کو واجب سمجھیں اور فرائض کو ترک کر کے اس کی طرف زیادہ متوجہ ہو جائیں۔ یہ بے شک منع ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تبرک بالآثار کے منکر نہیں تھے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک نیزہ تھا، جس سے انہوں نے بدر کے دن ایک بڑے مشرک ابوذات الکرش کو قتل کیا تھا۔ حضور ﷺ کے پاس وہ نیزہ رہا۔ جب آپ ﷺ کا وصال ہوا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے پاس رکھا۔ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وہ نیزہ اپنے پاس لے گئے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ یہ نیزہ مجھے دے دو، میں اپنے پاس رکھوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ نیزہ ساری عمر اپنے پاس رکھا۔ جب ان کا وصال ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ نیزہ مانگ لیا۔

تو ایک نیزہ کی اتنی حفاظت اور اتنا اہتمام؟ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسا آدمی اس کی حفاظت کر رہا ہے۔ کیوں؟ معلوم ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی تبرک بالآثار کے منکر نہیں تھے، ورنہ وہ وہی نیزہ کیوں اپنے پاس رکھتے؟ دنیا میں اس وقت ہزاروں نیزے تھے۔

ہمارے ہاں بھی عسکری سائنسدانوں نے ایک میزائل کا نام "عنزہ" رکھا ہوا ہے، یہ اسی نیزے کے نام پر ہے۔ تو درحقیقت وہ نیزہ چونکہ حضور اکرم ﷺ کے پاس رہا تھا، اس وجہ سے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کو اپنے پاس رکھنے میں سعادت سمجھتے تھے۔

شجرۂ بیعت رضوان کو کٹوانے کی وجہ:

دوسرا واقعہ یہ مشہور ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شجرۂ حدیبیہ (بیعت رضوان جس کے نیچے ہوئی) کو کٹوا دیا تھا۔ اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اثر ضعیف ہے۔ البانی نے اپنی

کتاب ''تحذیر الساجد'' میں اسے ضعیف کہا ہے۔ محدثین نے راجح یہ بتایا ہے کہ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہیں کٹوایا تھا بلکہ سیلاب میں بہنے یا کسی اور وجہ سے اس کا نشان مٹ گیا تھا۔ نیز یہ مرسل ہے۔ اسے حضرت نافع روایت کرتے ہیں جن کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ دوسری بات جو امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت سے معلوم ہوتی ہے کہ درحقیقت جس درخت کو لوگ شجرۂ رضوان سمجھ رہے تھے، اس کے شجرۂ رضوان ہونے میں شک تھا۔ بخاری کی روایت مغازی میں ہے جس میں ایک صحابی نے کہا تھا: ''صحابہ کو تو وہ درخت معلوم نہیں ہے۔ تم ان سے زیادہ جانتے ہو؟'' مطلب یہ ہے کہ ہمیں تعیین کے ساتھ وہ درخت یاد نہیں ہے۔ لوگ تعیین کے ساتھ اس کو شجرۂ رضوان سمجھ رہے تھے، اس لیے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کو کٹوا دیا۔ تیسری وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ آپ کو اندیشہ ہوا کہ لوگ اس کو باقاعدہ عرس کی جگہ نہ بنالیں۔ اس واسطے اسے کٹوا دیا، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کسی بھی یادگار کو باقی نہ رکھا جائے۔

الغرض! جو روایتیں یہاں پیش کی گئی ہیں، یہ صحیح یا حسن درجہ کی روایات ہیں اور یہ سب اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ تبرک بآثار الانبیاء والصالحین جائز ہے اور سلف صالحین سے ثابت ہے۔

انبیاء کے تبرکات کا مقصد:

ان مشاہد اور تبرکات کا حاصل صرف اتنا ہے کہ آدمی حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب ایک چیز کے ساتھ عقیدت و محبت کا اظہار کرے۔ اس سے تبرک حاصل کرے، لیکن اس کو معبود سمجھ لے..... العیاذ باللہ..... یا اس کی عبادت شروع کر دے، یا اس کو چومنا چھونا واجب سمجھ لے اور اصل واجبات اسلام چھوڑ بیٹھے، یہ حدود سے تجاوز کرنا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو بعد میں لوگ ایسا کرنے لگیں، لہٰذا انہوں نے منع کر دیا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تبرکات کی سرے سے کوئی حیثیت ہی نہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تو حجر اسود کو بھی کہہ دیا تھا کہ جانتا ہوں تو صرف پتھر

ہی ہے، نہ تیرے اندر نفع پہنچانے کی طاقت ہے اور نہ نقصان پہنچانے کی، لیکن میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ انہوں نے تجھے چوما اس لیے میں بھی تجھے چومتا ہوں۔

"اما واللہ! انی لأعلم أنك حجر، لاتضر ولا تنفع، لو لاأنی رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبلك، لم أقبلك."

ان کی نگاہ اس پر گئی کہ کہیں لوگ غلو میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس واسطے انہوں نے اس سے روکا، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کے نزدیک تبرکات کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔

تبرکات مٹاؤ والے موقف کی حقیقت:

لہٰذا یہ جو موقف اختیار کیا ہے کہ تبرکات کو مٹاؤ، یہ بالکل غلو ہے، تشدد فی الدین ہے اور دلائل واضحہ کے خلاف ہے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ یہ تبرک، تبرک ہی کی حد میں رہنا چاہیے۔ اس سے آگے بڑھ کر عبادت نہ سمجھا جائے کہ تبرک کو عبادت بنالیں۔ اسی کو نفع ونقصان کا ذریعہ سمجھنے لگیں۔ ایسی تعظیم کرنے لگیں کہ عبادت کے ساتھ مشابہ ہو جائے۔ یہ باتیں منع ہیں، غلو ہیں اور بعض جگہ شرک کی حد تک پہنچ جاتی ہیں۔ اس وجہ سے جہاں اس بات کا خطرہ ہو تو اس جگہ لوگوں کو ایسا کرنے سے روک لیں۔ شرعی حد میں رہنے کا پابند بنایا جائے، لیکن اس کو مطلق شرک قرار دینا اور آثار کو جان بوجھ کر مٹانا یہ بڑی زیادتی کی بات ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کے آثار کو ایک ایک کر کے مٹایا جا رہا ہے۔

دیکھیے! روضۂ اقدس پر بھی لوگ شرک کرتے تھے، بدعات کرتے تھے، لیکن آپ نے وہاں آدمی کھڑے کر دیے جو لوگوں کو سمجھاتے اور منع کرتے رہتے ہیں۔ مجال ہے کہ کوئی آدمی ہاتھ باندھ کر بھی کھڑا ہو جائے۔ اس کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ وہاں پر آپ نے ہاتھ اٹھانے یا باندھنے پر پابندی لگائی ہوئی ہے، لیکن اسے غلو اور شرک کے اندیشہ سے بند نہیں کیا ہے تو جو کام وہاں کر رہے ہو دوسرے آثار پر بھی کر سکتے ہو۔ اس واسطے غلو اور بدعات کو روکو، لیکن آثار کو ضائع کرنا اور باقاعدہ ختم کرنا اور اس کو مشن بنالینا، یہ اتنی افسوسناک بات ہے کہ کوئی حد وحساب نہیں۔

چودہ صدیوں سے امت نے نبی کریم ﷺ کی ایک ایک یادگار کو محفوظ رکھا۔ ایک ایک یادگار کو اپنے سینہ سے لگا کر رکھا کہ کوئی دوسری ملت اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ کوئی دوسری قوم اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ ارے عشق بھی کوئی چیز ہوتی ہے!!! محبت بھی تو کسی چیز کا نام ہے!!! دل کا تعلق بھی تو ہوتا ہے!!! آدمی جب ان یادگاروں کو دیکھتا ہے تو ان واقعات کو یاد کرتا ہے اور نبی کریم ﷺ اور ان کی سیرت طیبہ کو یاد کرتا ہے۔ اس سے اللہ و رسول اور آخرت کی یاد تازہ ہوتی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے نتیجے میں رسول کریم ﷺ کی محبت میں اضافہ فرماتے ہیں۔

چودہ صدیوں تک جن چیزوں کو محفوظ رکھا گیا، ان کو یک لخت اٹھا کر ختم کر دیا۔ جب سے یہ برسراقتدار آئے ہیں، ایک ایک کر کے سب آثار مٹا دیے، یعنی رفتہ رفتہ کر کے، ایک دم سے سارے نہیں مٹائے۔ سوچا کہ لوگ ہنگامہ نہ کر دیں، اس لیے رفتہ رفتہ کر کے کبھی ایک مٹایا، کبھی دوسرا۔ اس طرح ایک ایک کر کے ختم کر دیے۔ کوئی روکنے ٹوکنے والا نہیں۔

دنیا میں سب سے زیادہ مستند تبرکاتِ نبویہ:

یوں تو دنیا کے مختلف حصوں میں آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب تبرکات پائے جاتے ہیں، لیکن مشہور یہ ہے کہ استنبول میں محفوظ تبرکات سب سے زیادہ مستند ہیں۔ ان میں سرکار دوعالم ﷺ کا جبہ مبارک، آپ ﷺ کی دو تلواریں، آپ ﷺ کا وہ جھنڈا جس کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ وہ غزوہ بدر میں استعمال کیا گیا تھا، موئے مبارک، دندان مبارک، مصر کے بادشاہ مقوقس کے نام آپ ﷺ کا مکتوب گرامی اور آپ ﷺ کی مہر مبارک شامل ہیں۔

تاریخی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبرکات بنوعباس کے خلفاء کے پاس موجود تھے، چنانچہ یہ آخری عباسی خلیفہ "المتوکل" کے حصے میں بھی آئے۔ وہ آخر میں مصر کے مملوک سلاطین کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ اقتدار و اختیار میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا۔ دسویں صدی ہجری میں جب حجاز اور مصر کے علاقوں نے عثمانی خلیفہ سلطان سلیم اوّل کی سلطنت تسلیم کر لی اور اسے "خادم

الحرمین شریفین'' کا منصب عطا کیا گیا تو عباسی خلیفہ المتوکل نے ''خلافت'' کا منصب بھی سلطان سلیم کو سونپ دیا، اور مقاماتِ مقدسہ و حرمین شریفین کی کنجیاں اور یہ تبرکات بھی بطور رسیدِ خلافت اُن کے حوالے کر دیے۔ اسی کے بعد سے سلاطین عثمان کو ''خلیفہ'' اور ''امیر المومنین'' کا لقب مل گیا، اور پوری دنیائے اسلام نے اُن کی یہ حیثیت کسی اختلاف کے بغیر تسلیم کر لی۔

اس طرح سلطان سلیم دسویں صدی ہجری میں یہ تبرکات مصر سے استنبول لے کر آئے اور یہ اہتمام کیا کہ ''توپ کاپے سرائے'' میں ان کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک مستقل کمرہ تعمیر کیا۔ سلطان کی طرف سے ان تبرکات کی قدردانی اور ان سے عشق و محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے جب تک سلطان سلیم زندہ رہے، استنبول میں مقیم رہنے کے دوران اس کمرے میں خود اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے اور اس کی صفائی کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کمرے میں انہوں نے حفاظِ قرآن کو مقرر کیا کہ چوبیس گھنٹے یہاں تلاوت کرتے رہیں۔ حفاظ کی باریاں مقرر تھیں۔ ایک جماعت کا وقت ختم ہونے سے پہلے دوسری جماعت آ کر تلاوت شروع کر دیتی تھی۔ اس طرح یہ سلسلہ بعد کے خلفاء نے بھی جاری رکھا۔ یوں دنیا میں شاید یہ واحد جگہ ہو جہاں چار سو سال تک مسلسل تلاوتِ قرآن ہوتی رہی۔ اس دوران ایک لمحہ کے لیے بھی بند نہیں ہوئی۔ خلافت کے خاتمے کے بعد یعنی کمال اتاترک نے یہ سلسلہ بند کر دیا۔

ان تبرکات کو انتہائی نفیس لکڑی کے صندوقوں میں رکھا گیا ہے اور سال بھر میں صرف ایک بار رمضان کی ستائیسویں شب میں ان کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ عام دنوں میں یہ تبرکات صندوقوں میں بند رہتے ہیں۔ بس صرف صندوق میں ہی دیکھے جا سکتے ہیں۔ بہرحال اُس صندوق کی زیارت بھی ایک نعمتِ عظمیٰ ہے، جسے ان تبرکات کی محبت کا شرف حاصل ہے۔ یہ بھی سعادت سے خالی نہیں ہے۔

درجۂ استناد کے لحاظ سے ان تبرکات کی جو بھی حیثیت ہو، لیکن ایک امتی کے لیے اس نسبت کی سچائی کا احتمال...... اور صرف احتمال بھی...... کیا کم ہے!

آثارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور راہِ اعتدال

اس مسئلے کی شرعی حیثیت جاننے کے بعد ضروری ہے کہ افراط وتفریط سے بچتے ہوئے راہِ اعتدال بھی سامنے لائی جائے۔ اس امر سے کسے انکار ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تربیت یافتہ تھے اور ان کا طرزِ عمل ہمارے لیے معیارِ حق اور راہِ اعتدال کا بہترین نمونہ ہے۔ آیئے! اتباع وتقلید کی نیت سے ایک نظر اس پر بھی ڈال لیتے ہیں۔ اس سے ساری الجھنیں دور ہوجائیں گی، غبارِ راہ چھٹ جائے گا اور انشاءاللہ "مسلکِ اعتدال" وضاحت کے ساتھ سامنے آجائے گا۔

صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم کی آثارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت وعقیدت:

صحابہ رضی اللہ عنہم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار کے عاشق، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کے متبع، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشاروں اور مزاج کے منتظر رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار سے تبرک حاصل کرتے۔ اُس مٹی، اُس پانی، اُس برتن، اُس کپڑے، اُس بستر کی قیمت ان کے ہاں دولتِ کونین سے زیادہ ہوتی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مس ہوا، لعاب مبارک، وضو کا پانی صحابہ رضی اللہ عنہم زمین پہ بھی نہ گرنے دیتے، اپنے جسم پہ اسے ملنا دین ودنیا کی سعادت سمجھتے۔ آثارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ رضی اللہ عنہم واکابر کو کیسا عشق تھا، اس کی کچھ مثالیں یہ ہیں:

❁ ..... عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس جگہ نماز پڑھی، وہاں انہوں نے بطور تبرک مسجد بنالی۔

❁.....آپ ﷺ حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔ جہاں آپ ﷺ نماز ادا فرماتے، وہاں اس قبیلہ کے لوگوں نے بطور تبرک مسجد بنالی، جو اس قبیلہ کے نام کی مناسبت سے "مسجد بنی انیف" کہلائی، جس کے آثار آج بھی موجود ہیں۔

❁.....آپ ﷺ نے غزوۂ خندق میں "مسجد فتح" والی جگہ پہ تین دن پیر، منگل، بدھ دعا فرمائی۔ بدھ کے روز دعا قبول ہوئی۔ جبریل امین فتح ونصرت کی بشارت لے کر آئے۔ جابر رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ دیکھا تھا، چنانچہ جب بھی انہیں کوئی مشکل پیش آتی تو اس خاص وقت میں وہاں جا کے دعا کرتے اور قبولیت واجابت کا مژدہ ساتھ لاتے۔

❁.....حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا تو میری ملاقات حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے ہوگئی۔ وہ فرمانے لگے کہ میرے ساتھ چلو میں آپ کو اس کٹورے سے پانی پلاؤں گا جس سے سرور کائنات ﷺ نے پانی نوش فرمایا تھا اور پھر ہم دونوں اس مسجد میں نماز ادا کریں گے جس میں ہمارے آقا ومولا ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی۔ چنانچہ میں ان کے گھر گیا۔ انہوں نے اسی کٹورے سے پانی پلایا، کھجوریں کھلائیں اور پھر ہم نے اس جگہ پر نماز بھی ادا کی۔

(صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب ماذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم..... وما کان بہا من مشاہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

❁.....حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں تو مشہور تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں اور آثار کی چلتی پھرتی تصویر ہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے آثار کی کھوج میں سرگرداں رہتے تھے۔ حضرت نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے آقا ﷺ کے آثار کی جستجو میں اہتمام کے ساتھ پھرتے رہنے کو اگر آپ دیکھ لیتے تو کہتے کہ یہ مجنون ہیں..... ابن عمر رضی اللہ عنہما سفر پر روانہ ہوتے تو اپنی سواری اسی راستے سے لے جاتے جس راستے سے آقا ﷺ

کا گزر ہوا۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو بڑی محبت سے بتایا کہ میں اس لیے ایسا کرتا ہوں، ہوسکتا ہے کہ میری سواری کے کچھ قدم اس جگہ پر لگ جائیں جہاں میرے آقا ﷺ کی سواری کے قدم لگے..... حج کے لیے جاتے تو ان مقامات پہ ہی ٹھہرتے اور وقوف کرتے جہاں انہوں نے آقا ﷺ کو قیام کرتے دیکھا تھا..... جس درخت کے نیچے آقا ﷺ تھوڑی دیر ستائے، آرام کیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما اس درخت کی جڑ میں آتے جاتے پانی ڈالتے تاکہ یہ درخت زمانہ دراز تک قائم رہے اور ہم یادگارِ رسول ﷺ سے لطف اندوز ہوتے رہیں..... مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے راستے میں جن مقامات پہ آقا ﷺ نے نماز پڑھی تھی، ابن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی وہاں سے گزرتے ضرور اس مقام پہ نماز ادا کرتے..... حتیٰ کہ جس جگہ پہ آقا ﷺ قضائے حاجت کے لیے بیٹھتے، ابن عمر رضی اللہ عنہما ضرور وہاں بیٹھ کر قضائے حاجت کرتے۔ اگر قضائے حاجت کی ضرورت نہ ہوتی، تب بھی بیٹھ کر اپنے محبوب ﷺ کی یاد سے ضرور دل بہلاتے۔

✿..... امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا جس طرح ابن عمر رضی اللہ عنہما، رسول اللہ ﷺ کے آثار کی تلاش میں لگے رہتے تھے، اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا: ایسا کرنے میں، ان مقامات پہ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ کچھ لوگ اس میں غلو کر جاتے ہیں (یعنی وہاں جاکے بدعات کرتے ہیں۔ ان سے بچنے کا اہتمام کیا جائے)

✿..... مدینۃ النبی ﷺ کے امام، امام مالک رحمہ اللہ جب مدینہ طیبہ میں پیدل چلتے ہوئے گلیوں سے گزرتے تو ہمیشہ گلی کے کنارے کنارے چلتے اور فرمایا کرتے تھے: ''درمیان میں اس لیے نہیں چلتا کہ آقا ﷺ عموماً سڑک کے وسط میں چلا کرتے تھے اور مالک کی کیا مجال ہے کہ اس جگہ پر سے گزرے جہاں رسول ﷺ کے قدمین لگے ہوں''..... اگر کسی پرانی عمارت یا مکان کے قریب سے گزرتے جس کے متعلق یہ معلوم ہوجاتا کہ اس کا تعلق تاجدارِ مدینہ ﷺ یا کسی صحابی رسول سے ہے تو احترام سے اپنے ہاتھوں سے اس کو چھو کر گزرتے تھے۔ (جستجوئے مدینہ: ۸۹-۳۳۹)

❁.....قاضی عیاض رحمہ اللہ الشفاء میں لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کی تعظیم واحترام میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ سے متعلق اشیاء کی تعظیم کرے۔ آپ ﷺ کے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے تمام امکنہ، مشاہد ومعالم کا اکرام کرے، ان چیزوں کا بھی جن کو دستِ مبارک نے چھوا ہے۔

(الشفاء للقاضی أبی الفضل عیاض رحمہ اللہ، المکتبة العصریة بیروت: ۲۴۰)

❁.....حدیثِ عتبان رضی اللہ عنہ کے ذیل میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: "وفیه التبرک بالمواضع التی صلی فیها النبی صلی اللہ علیه وسلم ووطئها": اس حدیث سے ثابت ہوا ہے کہ ان مقامات سے جہاں آپ ﷺ نے نماز پڑھی یا آپ ﷺ کے قدم مبارک لگے تبرک حاصل کیا جاسکتا ہے۔ دوسری جگہ پہ فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے آثار کی تلاش اور ان سے برکت حاصل کرنا مستحب ہے۔

(فتح الباری لابن حجر رحمہ اللہ، مکتبة الرشید الریاض السعودیة: ۷۴۳/۱)

❁....."باب المساجد التی علی طرق المدینة والمواضع التی صلی فیها النبی صلی اللہ علیه وسلم" کے ذیل میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس باب سے حضور ﷺ کے سفرِ حج کے قیام کے مقامات کا ذکر ہے، تاکہ لوگ ان مقامات میں نمازیں پڑھ کر برکت حاصل کریں اور دعائیں کریں۔"

❁.....مشہور سیرت نگار امام واقدی رحمہ اللہ آثارِ نبوی ﷺ اور اسلامی واقعات کے یگانہ روزگار محقق ومؤرخ تھے۔ وہ ہر غزوے، معرکے اور واقعہ کے محلِ وقوع کا مشاہدہ ضروری سمجھتے، محض روایت پہ اکتفا نہ کرتے، اس لیے وہ اپنے دور کے اسلامی آثار کے سب سے بڑے محقق اور مؤرخ تھے۔ مشہور عباسی خلیفہ ہارون رشید ایک بار مدینہ منورہ گئے۔ اپنے وزیر سے کہا کسی ایسے آدمی کو تلاش کرو جو نزولِ وحی کے مواقع، شہدائے اسلام اور غزوات کے محلِ وقوع سے بخوبی واقف ہو۔ لوگوں نے امام واقدی رحمہ اللہ کا نام بتایا۔ چنانچہ رات بھر واقدی رحمہ اللہ

نے انہیں مدینہ منورہ کا ہر وہ گوشہ بتایا جس کے ساتھ اسلامی تاریخ کی کوئی یادوابستہ تھی۔ صبح ہوئی تو ہارون رشید رحمہ اللہ نے انہیں دس ہزار کی خطیر رقم ہدیہ کی۔

❀.....ولید بن عبدالملک نے مدینہ منورہ کے گورنر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو لکھا جس جگہ کی صحیح نشاندہی ہوجائے کہ وہاں نبی اکرم ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی، وہاں مسجد تعمیر کردی جائے۔ چنانچہ عمر بن العزیز رحمہ اللہ نے اپنے دور میں ان تمام مقامات پہ بڑے اہتمام کے ساتھ شاندار مساجد تعمیر کروادیں اور پہلے سے بنی ہوئی مسجدوں کو از سر نو تعمیر کرایا۔ پھر بعد کے وزراء وامراء بھی ان مقامات کی تعمیر کرتے چلے آئے۔

آثار ویادگار کی زیارت سے آپ ﷺ کی سیرت کی یادیں تازہ ہوتی ہیں۔ واقعات کا استحضار ہوتا ہے جو آقا ﷺ سے محبت وعقیدت میں اضافے کا سبب بنتا ہے۔ حرمین شریفین میں ترکوں کی حکومت تھی تو انہوں نے ان آثار کی بہت عقیدت اور اہتمام سے حفاظت کی۔ چودہ صدیوں تک یہ آثار امت نے یوں ہی محفوظ رکھے۔ محبت وعشق کے جذبہ سے ایک ایک یادگار کو سینہ سے لگائے رکھا، مگر موجودہ حکومت کے دور میں آثار کی حفاظت کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی، جس کی وجہ سے امت کئی مقدس آثار سے محروم ہوتی چلی گئی۔ متعدد اسلامی آثار ویادگاریں منہدم کردی گئیں، بلکہ بعض مقدس مساجد کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹادیا گیا۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے گوشہ گوشہ سے اسلامی تاریخ وابستہ ہے۔ اس کے علاوہ سعودی عرب کے دیگر کئی شہروں میں بھی آقا ﷺ کے یادگار مقامات ہیں۔ جو حضرات حج وعمرہ کے سفر پر جاتے ہیں انہیں سعودی حکومت کی طرف سے صرف مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور جدہ.....ان تین شہروں تک.....جانے کی اجازت ہوتی ہے۔ بقیہ شہروں میں وہ وزٹ ویزہ کے بغیر ویسے بھی نہیں جاسکتے۔ لہٰذا ان تین شہروں کے علاوہ بقیہ خطوں میں موجود آثار سے تو امت کی اکثریت ناواقف ہے۔ ان تین شہروں میں بھی چونکہ زیارت کو چند جگہوں کے ساتھ مخصوص کردیا گیا ہے، اس لیے

بقیہ متبرک آثار وشواہد رفتہ رفتہ امت کی نظر سے اوجھل ہوتے جا رہے ہیں، بلکہ سچ پوچھیے تو بوسیدہ ہوتے ہوتے شہید ہوتے جا رہے ہیں۔ اس مشترکہ اسلامی ورثے کی حفاظت اوران مقدس آثار کی بقا کے لیے مناسب کوشش ہر امتی کا فریضہ ہے۔ اللہ کرے یہ مختصر کتابچہ اہلِ علم ونظر کی توجہ اس موضوع کی طرف پھیرنے کا ذریعہ ثابت ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اوران کے صاحبزادے کے طرزِ عمل میں تطبیق:

یہاں ایک بات کا ذکر بہت ضروری ہے کہ ان آثار کی زیارت کے وقت غلو نہ کیا جائے، بدعات کا ارتکاب نہ کیا جائے، تبرک..... تبرک کی حد تک رہے، اس سے آگے بڑھ کر معاملہ شرک وبدعت کو نہ چلا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک سفر کے دوران کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک جگہ نماز کا اہتمام کررہے ہیں تو فرمایا: ''اگر کسی کی نماز کا وقت ہوگیا ہے تو پڑھ لے ورنہ آگے چلے''۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لیے منع فرمایا کہ لوگ اس میں غلو نہ کریں، اس مقام پہ نماز پڑھنا واجب نہ سمجھیں۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایک طرف ابن عمر رضی اللہ عنہما کے طریقہ سے ہمیں یہ سبق ملا کہ حضور ﷺ کے آثار وافعال کا ''تتبع واتباع'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم اور برکات کے حصول کا سبب ہے، دوسری طرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل نے ہمیں یہ سبق دیا کہ اتباع کو ابتداع (بدعت) کی حدود میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ (انوار الباری، مولفہ مولانا سید احمد رضا: ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان: ۱۲/ ۳٦٤)

اللہ تعالیٰ ہمیں آقا ﷺ کی سچی محبت وعقیدت کے ساتھ حقیقی اتباع کی توفیق نصیب فرمائے۔ یہی راہِ اعتدال اور راہِ نجات ہے۔

آثارِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحفظ: کیوں اور کیسے؟

آپ بخاری شریف کے حوالے سے پڑھ چکے ہیں کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تبرک بالآثار ثابت ہے۔ جناب فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا وہ نیزہ اپنے پورے زمانہ خلافت میں اپنے پاس سنبھال رکھا جس سے انہوں نے بدر کے دن ایک بڑے مشرک پہلوان "ابوذات الکرش" کو ٹھکانے لگایا تھا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے اسے بطور یادگار مانگ لیا تھا۔ پھر جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا۔ پھر ان سے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے لے کر رکھ لیا۔ نیز حجر اسود کو چومتے وقت ان کے کلمات مشہور ہیں کہ تو نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تجھے چومنا ثابت ہے، اس لیے چومتا ہوں۔ بالکل اسی طرح کہا جاسکتا ہے کہ یہ آثار نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، لیکن صحابہ وتابعین اور خیر القرون سے آج تک ائمہ مجتہدین اور اعیانِ امت سے ان کی حفاظت ثابت ہے تو اس لیے ہم بھی ان کی اتباع میں ان کے تحفظ کے اقدامات کرتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آج ہوتے تو امت کے ان گنہگاروں کی تسلی وتشفی کے لیے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جھوٹے، آپ کے پسینے، آپ کے وضو کے پانی، آپ کے لعاب مبارک، آپ کے قدموں کی خاک سے دلِ حزیں کی تسکین کا سامان نہیں کر سکے، ان دل گرفتہ گنہگاروں کے لیے آپ ویسے ہی ان آثار کی زیارت وحفاظت کا انتظام کرتے، جیسے آپ نے حجر اسود، بئر زمزم، عنزہ زبیر اور دیگر آثار کے لیے کیا۔

ہاں! آپ یہ احتیاط ضرور کرتے کہ عوام الناس کی تعلیم وتربیت اور اصلاح وتادیب کے لیے

واعظین اور معلمین کا تقرر فرماتے، ہدایات لکھ کر لگواتے، بدعات کے مرتکبین سے سختی سے پیش آتے، ساتھ ہی اتباعِ سنت اور روحِ جہاد کی بیداری کی خاطر زیارت کے لیے آنے والوں کے لیے آنے والوں کی سہولت ویسا ہی انتظام فرماتے جیسا کہ زائرین حج و عمرہ کے لیے فرماتے تھے، کیونکہ حج بھی تو سارا کا سارا آثارِ ابراہیمی اور مشاہدِ محمدیہ کے گرد گردش کرتا ہے۔ آثار کا مطلقاً انکار کرتے کرتے اگر ہم کل کلاں حج کو بھی خالص خشک عقل کے زنگ لگے ترازو پر تولنے لگ گئے تو پھر دین اور مشاعرِ دین کا اللہ ہی حافظ ہے۔

گزشتہ صفحات میں دس کے قریب مستند احادیث پیش کی گئی تھیں جن سے تبرک بالآثار ثابت ہے۔ تلاش کی جائیں تو مزید بہت سی احادیث مل سکتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں لازماً ان احادیثِ کثیرہ شہیرہ اور اثرِ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل میں تطبیق تلاش کرنی ہوگی۔ تطبیق یہی ہے کہ ان آثار کے حوالے سے افراط و تفریط دونوں نہ ہوں۔ شریعت میں زیادتی کی جائے نہ کمی۔ افراط یہ ہے کہ وہاں بدعات کا ارتکاب ہو، غیر واجب کو واجب سمجھا جانے لگے، غیر ثابت کو ثابت ماننے پر اصرار کیا جائے، اظہارِ محبت کو آدابِ محبت سے بالاتر سمجھ لیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کی اصلاح فرمائی تھی۔ تفریط یہ ہے کہ وہاں کی زیارت جو اگرچہ حدود و آداب کے اندر ہو، کو بھی ممنوع قرار دیا جائے۔ تاریخ کے طالبِ علم ہوں یا محبت کے مارے زائر، کسی کو جانے ہی نہ دیا جائے۔ ان آثار کا پتا بتانے والوں کو مجرم سمجھ کر ملک سے نکال دیا جائے، اور رفتہ رفتہ ان متبرک آثار کو یکسر روئے زمین سے ختم کر دیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہرگز یہ مقصد نہ تھا، ورنہ ابن عمر (رضی اللہ عنہ) ان آثار کے تتبع میں اور عمرِ ثانی (حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ) ان آثار کے تحفظ میں اتنی سرگرمی نہ دکھاتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقصد کو ان کے بیٹے اور ہم نام خلیفۂ راشد سے زیادہ کون سمجھ سکتا ہے؟ پھر ساری امت کی رائے اور عمل کے خلاف انفرادی رائے قائم کرنا نجی اور ذاتی مسائل میں مناسب نہیں تو اجتماعی معاملات میں کیسے درست ہے؟ اس سے تو اختلاف و انتشار پیدا ہوگا اور تفریق و تشویش بڑھے گی۔

کرنا کیا چاہیے؟

اس کتابچے کی تقسیم، سعودی حکام کو ای میلز اور خطوط، برادران اسلام کو میسج

ان طویل گزارشات کے مکمل ہونے پر اب احقر قارئین سے اجازت چاہے گا اس امید کے ساتھ کہ اس عاجز نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ مسئلہ کے ہر پہلو کو شرعی دلائل، تاریخی شواہد اور تازہ ترین صورتحال کے تناظر میں واضح کر دیا۔ اب امت مسلمہ جانے اور اس کا مظلوم ورثہ۔ ان آثار کی حفاظت کے لیے سفارتی، اخلاقی اور تہذیبی حدود میں رہتے ہوئے جو بھی مناسب طریقہ اختیار کیا جائے، اس میں ان شاء اللہ خیر و برکت ہوگی۔ زیر نظر کتابچہ یا اس کے عربی و انگریزی ترجمے کی مفت تقسیم، اس میں دیے گئے پیغام کے خلاصے کی موبائل میسج کے ذریعے آگے تبلیغ اور اس میں دیے گئے مضامین اور تصویروں کو مختلف ویب سائٹس پر دینے سے لے کر مذکورہ کتاب (نقوش پائے مصطفی ﷺ) کی ترویج و تقسیم تک..... اور سعودیہ کی وزارت مذہبی امور، محکمۂ آثار قدیمہ کو توجہ دلانے سے لے کر دنیا بھر میں واقع سعودی قونصلیٹ اور سفارتخانوں میں یادداشت پیش کرنے یا برقی مراسلے (ای میل) بھیجنے تک..... جو بھی کارگر طریقہ ہو..... اخلاق و تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے..... اس سے دریغ نہ کرنا چاہیے۔

غموں کی ماری اور ساری دنیا کی ستائی ہوئی دکھیاری امت کے پاس اپنے نبی ﷺ کی چند یادگاریں ہی تو ہیں جو بے آسراؤں کا سہارا ہیں۔ خدانخواستہ یہ بھی اگر ہمارے دیکھتے دیکھتے، ہمارے جیتے جی مٹادی جائیں اور ہم ان کے تحفظ کے لیے کچھ نہ کریں تو بڑی بدنصیبی اور محرومی کی بات ہے۔

سعودی عرب کے سفیر اس وقت عبدالعزیز ابراہیم الغدیر ہیں۔ کراچی کے قونصل جنرل فالح محمد الرحیلی ہیں۔ دنیا بھر میں واقع سعودی سفارتخانوں اور قونصل خانوں کا پتا معلوم کرنا مشکل

نہیں۔ اگر پوری دنیا سے مناسب انداز اور مہذب الفاظ میں سعودی حکومت اور اس کی متعلقہ وزارتوں (وزارتِ داخلہ وخارجہ، وزارتِ حج مذہبی امور، محکمہ آثارِ قدیمہ واوقاف) نیز سفارت خانوں، قونصل خانوں اور سعودی علماء وزعماء تک گزارشاتی خط پہنچائے جائیں، ای میلو بھیجی جائیں اور اس سلسلے کو وقتاً فوقتاً مختلف شکلوں میں جاری رکھا جائے، نیز دین کے رشتے میں جڑے ہوئے تمام اسلامی ممالک کے سربراہوں اور سفیروں کو اس جانب متوجہ کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ سربراہان مملکت اور رہنمایانِ امت اس پر توجہ نہ دیں، کہ یہ اجتماعی مسئلہ ہے اور اجتماعی مسائل میں انفرادی رائے نہیں اپنائی جاتی، ان میں اجتماعی رائے کو پیش نظر رکھنا عالم اسلام کے اتحاد واتفاق اور خیر وبرکت کا ذریعہ ہوتا ہے۔

مختلف وزارتوں کے ایڈریس

	ای میل ایڈریس/ویب سائٹ	فون نمبر	فیکس نمبر
وزارت خارجہ	information@mofa.gov.sa	406-7777/441-6836	403-0159
وزارت اطلاعات	sair@saudinf.com	401-4440/401-3440	402-3570
وزارتِ حج	www.hajinformation.com		
آثارِ قدیمہ	www.scta.gov.sa		
مشترکہ	Webmaster@saudia-online.com		

پاکستان میں برادر ملک سعودی عرب کے سفارت اور قونصل خانے

ایڈریس	فون نمبر	فیکس نمبر
House No.14, Hill Road, F-6/3 اسلام آباد	0092-51-2820150	0092-2278816
20-22,Khayaban-e-Hafiz,Phase-V,D.H.A کراچی	0092-21-5841154	0092-21-5840910

بجھتے چراغ مٹتے آثار
مسجد بنی انیف کا بیرونی منظر جبکہ چھوٹی تصویر میں اندرونی منظر بھی نمایاں ہے۔ یہ قدیم طرز کی اینٹوں کی دیواریں اگر اسی طرح رہیں تو ان کی یادگار رہیں گی لیکن خطرہ ہے کہ یہ یادگار طرز تعمیر رہے گا اور اس کی جگہ جدید طرز تعمیر آئے گا۔ بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک مسجد کی آخری علامات بھی مٹ جائیں گی۔
بئر طوى
ماء غير صالح للشرب
شارع بئر طوى
شمال ٢ - غرب ٢
N2.W2
Bir Tuwa St
مکہ مکرمہ میں بئر طوی۔ یہاں دو کنواں ہے جس کے پانی کو علمائے کرام نے زمزم کے بعد سب سے متبرک پانی قرار دیا ہے۔
یہاں یہ لکھ کر لگا دیا گیا ہے کہ یہ پانی پینے کے قابل نہیں ہے۔
2

مسجد بنی قریظہ کے آثار، جہاں سولہ دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔ یہی وہ مقدس مقام ہے

بجھے چراغ مٹتے آثار

مسجد قبا کے قریب ایک باغ میں واقع وہ تاریخی مسجد جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد سے پہلے مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نماز پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو آپ نے بھی یہاں نمازیں ادا فرمائیں۔

غزوہ احد کے اختتام پر زخمی حالت میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نماز ظہر کی امامت کروائی۔ متبرک جگہ کی خستہ حالت تصویر سے نمایاں ہے۔

مسجد منارتین: آج کل کے مدینہ منورہ میں اگر ہم مسجد نبوی سے شاہراہ تحریم (قدیم شاہراہ مکہ) سے ہو کر وادی العقیق کی جانب جائیں تو ریلوے اسٹیشن سے تقریباً آدھے کلو میٹر کے فاصلے پر پیٹرول پمپ سے ذرا آگے دائیں ہاتھ میں ایک خالی میدان نظر آتا ہے جہاں دو سے تین کھنڈرات نظر آتے ہیں جو اسی تاریخی مسجد منارتین (دو میناروں والی مسجد) کے ہیں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی۔

بجھتے چراغ مٹتے آثار

حرم مکی کی جدید توسیع وتعمیر کے بعد قرب وجوار کا منظر۔ بیت اللہ کے بالکل قریب واقع ایک عمارت کی ہیبت ناک رونمائی بیت اللہ کے عظمت کے احساس میں مانع معلوم ہوتی ہے۔ زائرین اس عمارت کو تعجب ورعب سے دیکھتے رہتے ہیں۔ کچھ دور واقع عمارتوں کا انداز تعمیر بھی محل نظر اور قابل اصلاح معلوم ہوتا ہے۔

آثارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیق پر مشتمل دو منفرد کتابیں

سیرت اور مقاماتِ سیرت پر ایک منفرد کتاب جس میں مشاہدہ و تحقیق اور قدیم و جدید تصاویر کی مدد سے مکمل سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرنے کے ساتھ مقدس آثار کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔ یہ کتاب انشاء اللہ عاشقوں کے عشق میں اضافہ کرے گی۔ پیاسوں کے لیے شراب محبت ثابت ہوگی۔ جو لوگ ان مقامات تک نہیں پہنچ سکتے وہ تذکرہ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ کر اور تصاویر دیکھ کر تسکین حاصل کریں گے اور ان کے دل میں سیرت پر عمل کا جذبہ پیدا ہوگا۔

آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب آثار اور یادگار مقامات کے مشاہدے پر مشتمل دلچسپ سفرنامہ جو ملک کے مشہور اخبار "روزنامہ اسلام" نے پورے پاکستان میں قسط وار شائع کیا اور قارئین میں بے حد مقبول ہوا۔ اس سفرنامہ میں ان مقامات کی مکمل تفصیل، آثار تک پہنچنے کی پوری روئیداد ہے۔ کچھ مقامات جو سیرت سے متعلق نہیں ان کا تذکرہ "نقوش" میں نہیں ہے، انہیں اس سفرنامہ میں خوب اہتمام کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ قارئین دونوں کتابیں ساتھ ساتھ پڑھیں گے تو مکمل فائدہ ہوگا۔

مصنف کی دیگر کتب

تحقیقات و تالیفات	کالم اور مضامین	زیر طبع
شرح عقود رسم المفتی (عربی)	بولتے نقشے	فہم الحدیث، تلخیص وتسہیل معارف الحدیث
آداب فتویٰ نویسی	حرمین کی پکار	منح الغفار (عربی)
تسہیل السراجی	اقصیٰ کے آنسو	آپ ہدایہ کیسے پڑھیں؟
الاملاء والترقیم (عربی)	ہسپانیہ سے امریکا تک	اسلام اور تربیت اولاد (تلخیص وتسہیل)
لکھنا سیکھیے!	عظمتوں کی کہانی	دروسِ حج (تربیتِ حج وعمرہ)
رہنمائے خطابت	امت مسلمہ کے نام	کتاب الجغرافیہ
آثارِ نبی ﷺ خطرے میں	سرجنگ پوائنٹ	چاند کے تعاقب میں
خواتین کا دینی معلم	بسنت کیا ہے؟	نقطے سے کالم تک
گناہ معاف کرانے والی نیکیاں	عالم اسلام پر امریکی یلغار کیوں؟ (ترجمہ وتعارف)	دینی معلم
فارسی کا آسان قاعدہ	عالمی یہودی تنظیمیں	
دجال I: کون، کب، کہاں؟ دجال II: دجال کی عالمی ریاست دجال III: متفرق دجالیات		

السعید
9264214

اس گزارش نامے میں

- حرمین شریفین کے کون کون سے مقدس آثار انہدام کے خطرے سے دوچار ہیں؟
- کون سے آثار شہید کردیے گئے ہیں اور کون سے شہید کردیے جانے کے قریب ہیں؟

مشاہداتی حقائق، شرعی دلائل، راہِ اعتدال، دلسوز روئیداد اور تازہ ترین تصاویر

- دنیا میں صرف مسلمانوں کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کے مذہبی آثار اصل حالت میں محفوظ ہیں..... لیکن جن آثار کو آج تک سینت سینت کر رکھا گیا، وہ یکے بعد دیگرے مٹتے جارہے ہیں۔

کیوں.....؟ اپنے ہاتھوں اس مقدس ورثے اور مشترکہ وراثت سے محرومی کیوں.....؟

اعتدال ہر چیز میں ضروری ہے۔ افراط و تفریط ہمیں اس منفرد اعزاز سے محروم کرسکتا ہے۔

اگر آپ ان آثار کی حفاظت کے اجر میں شریک ہونا چاہتے ہیں تو اس کے پہلے اور آخری صفحے پر دیے گئے لائحہ عمل کے مطابق:

- یہ مختصر کتابچہ کم از کم ایک مسلمان بھائی تک ضرور پہنچایئے!
- اس میں دیے گئے پیغام کا خلاصہ موبائل میسج کے ذریعے آگے پھیلایئے!
- برادر ملک سعودی عرب کے کسی ایک ذمہ دار شخص کو ان آثار کی حفاظت کی ترغیب دیجیے!
- دنیا بھر میں واقع سعودی قونصلیٹ یا سفارتخانے کو خط لکھیے یا یادداشت پیش کیجیے!
- کتابچے کے آخری صفحے پر دیے گئے ایڈریس پر ای میل کو بھیجیے!

مقدس آثار کی حفاظت کے لیے اس پتے پر کوئی مثبت تجویز بھیجیے: (muqaddasaasar@yahoo.com)

یہ کتابچہ

فی سبیل اللہ مفت تقسیم کرنے کے خواہش مند حضرات کو خصوصی رعایتی قیمت پر فراہم کیا جائے گا۔

والسلام: ایم ایم سعید، مدیر السعید رابطہ: 0313-9264214

اللہ تعالیٰ ان آثار پر نازل ہونے والی رحمت و برکت میں سے ہم سب کو وافر حصہ نصیب فرمائے۔ آمین